”حکومت کا مخلص اور ہمدرد صحیح معنوں میں وہی ہے جو بے کم و کاست اس کے محاسن و معائب پر سختی سے تنقید کرے تاکہ حکوتِ وقت جلد سے جلد ان نقائص کی اصلاح کر کے جمہوری قدروں کا تحفظ کر سکے، اس طرح حکومت کو استحکام حاصل ہوگا اور اس کا وقار اندرونِ ملک بڑھے گا اور جو لوگ محض خوبیوں ہی کو اجاگر کرتے ہیں، خامیوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، دراصل وہ مفاد پرست اور وطن دشمن ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک بہی خواہ دوست خامیوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے اور صداقت کی بنیادوں پر حکومت کی استواری سے غفلت برتے۔“ (از: حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ)

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۱۰

اکتوبر ۲۰۱۰ء

ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 15 روپے
سالانہ: 150 روپے

کوڈ نمبر ——— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فکس 23726122

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی۔ نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نقوشِ قلم

اداریہ

قومی وملی مسائل میں اہل سنت کا کردار

ضرورت اور طریقۂ کار

۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء بموقع عرس قاسمی برکاتی بہ مقام خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، تیسری کل ہند فکر و تدبیر کانفرنس کا انعقاد ہوا. کانفرنس میں کثیر تعداد میں علما و مشائخ اور اربابِ دانش نے شرکت کی، خطبات و تاثرات پیش کیے گئے. موضوع تھا ”قومی و ملی قیادت میں اہل سنت کا کردار-ضرورت اور طریقۂ کار“ کانفرنس کی صدارت شیخ طریقت حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں برکاتی سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ نے فرمائی. مفکر اہل سنت حضرت مولانا یٰس اختر مصباحی اور سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحبان کسی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہیں ہو سکے لیکن اپنی تحریریں ارسال فرمائیں. ہم ان دونوں تحریروں کو سرِ دست بجائے اداریہ پیش کر رہے ہیں. عرس و کانفرنس کی فصیل آئندہ ملاحظہ فرمائیں. از: **مبارک حسین مصباحی**

پہلی تحریر.......از: مولانا یسین اختر مصباحی، دھلی

بحمدہ تبارک وتعالیٰ اہل سنت وجماعت مذہبی وفکری ونظریاتی طور پر امت اجابت کا ”سوادِ اعظم“ (بڑی جماعت اور جمہوریت) اور «ما انا علیہ و اصحابی» کا مصداق ہیں۔

سوادِ اعظم ہونے کی حیثیت سے ہماری ذمہ داریاں بے پناہ اور ہمہ جہت ہیں۔ اسی طرح اہل سنت وجماعت ہونے کے اعزاز نے سنتِ نبوی «علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام» پر عمل اور جماعتی نظام ومفاد کے تحفظ کا فریضہ ہم پر عائد اور لازم کر دیا ہے۔

علما وقائدین سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت چوں کہ قوم وملت وجماعت کی قیادت ورہ نمائی کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔ اس لیے فطری اور اصولی لحاظ سے ان کا بنیادی کردار یہی ہونا چاہیے کہ زندگی کے جملہ شعبوں کے لوازم اور ان کے تغیرات پر گہری نظر رکھتے ہوئے اپنی ہدایات وتعلیمات کے ذریعہ امت مسلمہ کے مفادات ومصالح کے تحفظ اور درپیش خطرات کے دفاع میں ہمیشہ سرگرم عمل رہیں۔

تعلیم وتدریس، وعظ و بیان، بیعت و ارشاد، امامت وخطابت، تحریر وافتا کے ساتھ جملہ مسائل حیات مسلم ومعاشرہ انسانی، مثلاً تجارت، ملازمت، صنعت، صحافت، سیاست وغیرہ میں مسلمانوں کی قیادت ورہ نمائی اور صحیح رہ بری بہ قدر صلاحیت واستطاعت ہر عالم وقائد کا وہ فریضہ ہے جس سے غفلت وچشم پوشی بے حد مضر اور سخت نقصان دہ ہے۔

اہل سنت کی تنظیم اور مسلم معاشرے کی صلاح وفلاح کے لیے اجتماعی قوت کا مظاہرہ بے حد ضروری ہے جو علما اور امرا کے اشتراک سے وجود پذیر ہو سکتا ہے، کسی بھی تنظیم کی تشکیل کے لیے [۱] واضح اعراض ومقاصد [۲] مخلص وباشعور افراد وارکان [۳] مناسب وسائل و ذرائع،

عناصر ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کے بغیر کوئی قوت متحدہ عملی شکل اختیار نہیں کر سکتی۔

مختلف میدانوں میں سرگرمی و پیش قدمی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان سے وابستہ سر برآوردہ تعلیم یافتہ طبقہ ہم سے قریب اور ہم آہنگ ہے، اور انھیں اپنی مطلوبہ جائز غذا فراہم ہوتی رہے۔ عوام کے درمیان اثر و نفوذ کے ساتھ خواص سے رابطہ و تعلق اور عمل سے قیادت کی گرفت اور باگ ڈور ہمارے ہاتھوں میں اسی وقت آسکتی ہے جب ہم اپنی سرگرمی و کارکردگی کا دائرہ وسیع کر دیں اور مسلم مسائل کے حل کے لیے مناسب سیاسی و قانونی تدابیر کا آخری سہرا بھی ہمارے ہاتھوں میں رہے۔

مثال کے طور پر ۳۰ ستمبر ۲۰۱۰ء کو لکھنؤ ہائی کورٹ بنچ کے فیصلے کے بعد سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کا معاملہ ہے کہ کسی مضبوط سنی تنظیم کی جانب سے اپیل دائر ہونا ضروری ہے، ورنہ سیاست و صحافت سے وابستہ حلقہ دوسری تنظیموں اور ان کے ارکان و ذمہ داران کو ہی مسلم نمائندہ سمجھ کر تاریخ میں انھیں کا ذکر کرے گا اور ہمارا نام حاشیے پر بھی شاید ہی درج ہو سکے، جب کہ عوامی بیداری پیدا کرنے میں ہمارے علما و خطبا کا کردار دوسروں سے زیادہ ہے۔

تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کی مسلسل ذہن سازی کی ضرورت ہے کہ مسلم مسائل میں دل چسپی و تعاون اسی طرح کارِ ثواب ہے جیسے دوسرے معمولاتِ اہلِ سنت میں ہے۔ بلکہ بعض اوقات ان معمولات و مراسم سے زیادہ ان میں ثواب و اجر آخرت ہے۔

مسلم مسائل میں دل چسپی و تعاون و حوصلہ افزائی کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہر وقت رہنی چاہیے، کیوں کہ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کا یہ اجتماعی فریضہ ہے۔ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی طرف سے منعقد ہونے والی فکر و تدبیر کانفرنس کا انعقاد دوسری خانقاہوں اور اداروں میں بھی ہونا چاہیے اور «رضا اکیڈمی ممبئی» جیسی کئی مزید سنی تنظیموں کو میدانِ عمل میں آنا چاہیے۔

اجتماعی شعور و احساس قومی و ملی سرمایہ ہے، جس کے حصول کی ہر ممکن کوشش ہونی چاہیے اور اس کوشش میں علما و خطبا و مشائخ و ائمہ مساجد کو متحرک و فعال رہنا چاہیے، ماحول اسی طرح بنے گا اور فضا اسی طرح ساز گار و خوش گوار ہوگی۔ منصوبے بنیں گے اور ان پر عمل بھی ہوں گے، میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ علما و قائدین قوم و ملت کے مسلم نوجوان اور نئی نسل کے طلبہ کی ذہن سازی پر خصوصی توجہ مرکوز کریں، کیوں کہ وہ شدت سے یہ محسوس کر رہے ہیں کہ انھیں اجتماعی مسلم مسائل کے حل میں صرف حصہ دار نہیں بلکہ قائد کا کردار نبھانا چاہیے۔ ان کی حوصلہ افزائی مستقبل کے ایک خوش گوار انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور جلد تر ہو۔ «السعي منا والاتمام من الله»۔

☆☆☆☆☆

دوسری تحریر......از: مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہم اہل حق اہل سنت و جماعت کی قومی و ملی قیادت مایوس کن تو نہیں، لیکن افسوس ناک ضرور ہے۔ مناظرہ کے میدان میں ہماری قیادت لائق ستائش ہے، لیکن دوسرے تمام میدان ہم نے دوسروں کے لیے خالی چھوڑ دیے ہیں۔ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا مسئلہ ہو یا مساجد اور مقابر وغیرہ اوقاف کی حفاظت و بازیابی کا، مرکزی اور صوبائی سطح پر سیاست کا مسئلہ ہو یا حکومت کے مختلف شعبہ جات میں ملازمت کا، یا اپنے نونہالوں کی اعلیٰ تعلیم اور جامعات سے روابط اور ان کی انتظامیہ وغیرہ میں اپنی شمولیت کا، یا بیرونِ ہند دوسرے ممالک کے ارباب علم و دانش سے تعلقات کا، یا مظلوموں اور تباہ حالوں کی ریلیف اور باز آبادکاری کا۔ ہر سطح پر ہماری حیثیت صفر یا پھر درجۂ صفر کے قریب نظر آتی ہے۔ شاہ بانو کیس کے ہنگامہ خیز احتجاج کے بعد ہم سوئے تو ابھی تک بیدار نہ ہو سکے، سیدی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے وسائل کے نہایت محدود ہونے کے باوجود اہل سنت کو عالمی سطح پر متعارف کرایا، جماعت رضائے مصطفیٰ نے قوم کے اندر بیداری کی روح پھونکی، سنی جمعیۃ العلما، پھر رضا اکیڈمی ممبئی نے بھی اچھا کام کیا۔ رابطہ عالمی اسلامی برطانیہ اور کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس اور تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ کچھ مخلصین اور انفرادی کوششوں کو بھی ہم سراہتے ہیں، مگر جماعتی سطح پر ہماری نمائندگی برائے نام ہے اور آج تو ہمارے لیے قیادت کا لفظ بولنا بھی قیادت کی توہین ہے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ ہم نے یہ سوچ لیا کہ ہم حق پر ہیں، اور جنت ہمارے لیے ہے تو پھر قومی، ملی رہ نمائی کی فکر سے بھی

آزاد ہو گئے۔ ہمارا یہ نعرہ یقیناً برحق ہے: ع: «ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی» مگر ہم نے یہ نعرہ بھلا دیا کہ۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آج ہم اہل حق، اہل سنت و جماعت کا شیرازہ بری طرح منتشر ہو چکا ہے اور ہم مختلف ٹکڑے اور ٹکڑیوں میں تقسیم ہو چکے ہیں، ہم سوادِ اعظم ہیں، مگر ہمارا حکومت کی نگاہ میں کوئی وجود نہیں، نہ کسی مذہبی یا سیاسی قیادت کے نقطۂ نظر سے نہ کسی بڑی قوت یا صحافت یا انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ وغیرہ میں موثر شمولیت کی جہت سے۔

اندرونی اختلافات کو دور کرنے کے لیے مختلف طبقہ ہائے فکر سے علما اور دانش وروں کا ایک بورڈ بنایا جائے جو اختلافات کو دور کرے اور اہل سنت کو عظیم اور موثر قوت میں تبدیل کر سکے۔ ذاتی مفادات، خانقاہی ترجیحات، تفوق اور بالا دستی کے رجحانات سے بالا تر ہو کر جماعت کی شیرازہ بندی، اس کے تحفظ اور فروغ و ترقی کے لیے سوچے اور اسی کے مطابق فیصلے نافذ کرے۔

سیاست اور مذہب... آج ایک غلط فہمی عوام کے اندر یہ پائی جاتی ہے کہ سیاست الگ ہے اور مذہب الگ، دونوں اکٹھا نہیں ہو سکتے، حالاں کہ بغیر مذہب کے سیاست ایک بے جان لاش کی طرح ہے۔ ہمارے مسلم رہ نما پہلے دین کے پابند بنیں، پھر سیاست میں حصہ لیں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ ہمیں ہر محاذ پر کامیابی ملے گی، ہم مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے میٹنگ پر میٹنگ کرتے رہتے ہیں اور نماز کا وقت آتا ہے اور چلا جاتا ہے، لیکن ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ہم خود سوچیں کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مسلم معاشرے کے لیے لائحۂ عمل طے کرنا کتنا مفید اور کار آمد ہوگا، یہ ہر صاحب علم اور سنجیدہ مزاج شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے، اس لیے اپنی سیاسی قوت مضبوط کرنے کے لیے ہمیں دین کی مضبوط رسی قوت کے ساتھ پکڑ کر ہی آگے بڑھنا ہوگا، ورنہ حکومت میں حصہ داری کے باوجود مضبوط قیادت کا دور دور تک پتا نہ ہوگا۔

قیادت و اطاعت... کہا جاتا ہے کہ ہماری جماعت میں جذبۂ اطاعت نہیں ہے، کوئی کہتا ہے کہ قیادت نہیں ہے، لیکن سچائی یہ ہے کہ قیادت بھی ہے اور اطاعت بھی، مگر بہت محدود جو زیادہ تر گروپنگ کے سائے میں سرگرم سفر ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ ضرورت ہے کہ اس گروپنگ سے بالا تر ہو کر آفاقی سوچ پیدا کریں اور خالص رضائے الٰہی کے لیے قیادت بھی ہو اور اطاعت بھی۔ الحمد للہ! خانقاہ برکاتیہ کی قیادت اسی انداز کی ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ "فکر و تدبیر کانفرنس" اس خصوص میں بہتر کردار ادا کر رہی ہے، اس لیے ہم اس کے سامنے اپنے کچھ مسائل بے ترتیب ہی سہی اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں، پھر اپنی سمجھ کے مطابق ان کے حل بھی ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[۱]...... **علمی پس ماندگی:** مسلمانوں کی علمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے مدارس کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ایک ایسی تحریک کا قیام بھی ضروری ہے، جس میں پورے ملک کے علما اور دانش ور اپنے اپنے حلقۂ عمل واثر و رسوخ میں جز وقتی اور کل وقتی اداروں کا قیام عمل میں لائیں، ان میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے، یہ تحریک ہر ضلع، ہر شہر، ہر قصبہ میں مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کا صحیح جائزہ لے کر اس کے تدارک کی ہر ممکن کوشش کرے۔ اس تحریک کا رابطہ محکمہ تعلیم، یونیورسٹیوں اور کالجوں سے بھی ہو تاکہ مسلم طلبہ کو ہر طرح کی سہولت فراہم کرنے میں تعاون کر سکے اور ممکن ہو تو جنوبی ہند کی طرح میڈیکل اور ٹیکنیکل کالج وغیرہ بھی قائم کریں، یہاں مسلمانوں کے مختلف ٹرسٹ ہیں، جو ان اداروں کو چلا رہے ہیں اور فی الحال یہ دشوار ہے تو کم از کم ماہرین کے ذریعہ جگہ جگہ سمر کلاسز قائم کر کے کالج اور یونیورسٹیز کے طلبہ میں بیداری پیدا کی جائے تاکہ وہ جس شعبے میں رہیں دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔

[۲]...... **قیمتی ووٹوں کا ضیاع:** مسلمانوں کی ایک فلاحی تنظیم ہونی چاہیے جو براہِ راست خود الیکشن میں حصہ نہ لے یعنی وہ اپنے نمائندے کھڑے نہ کرے، لیکن مسلمانوں کو مشورہ دے کہ وہ اپنے ووٹ کا استعمال کس طرح کریں، تاکہ ان کے ووٹ کی قیمت ضائع نہ ہونے پائے اور وہ اپنے مطالبات کو اس سیاسی پارٹی سے منوا سکیں، جس کو وہ ووٹ دیں، اس کی طرف فوری توجہ ضروری ہے کہ اس پر ہماری سماجی، معاشی اور تعلیمی زندگی کا ایک طرح انحصار ہے اور فی الحال تمام مسائل سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بابری مسجد کی بازیابی کے تعلق سے ہم ایک فریق کی حیثیت سے سامنے آئیں اور سپریم

کورٹ میں استغاثہ کریں، اس کا حق ہمیں حاصل ہے اور اب ہمارے ذمہ داروں کو جلد اس کی طرف سبقت کرنی چاہیے۔

[۳]...... **مسلم پرسنل لا میں مداخلت:** شریعت ایکٹ (منظور شدہ ۱۹۳۷ء) میں مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے پرسنل لا کے معاملات (نکاح، طلاق، مہر، ترکہ، وصیت، وقف) اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کریں۔ مگر اب ہمارے اس بنیادی حق میں مداخلت شروع ہو چکی ہے، اس کے لیے علما، وکلا اور دانش وروں کی فعال تنظیم کی ضرورت ہے۔ جو حکومت سے مل کر اپنے پرسنل لا کا تحفظ کرائے۔

[۴]...... **ملازمتوں سے محرومی:** یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے ہماری قوم کو یاس و ناامیدی کا شکار بنا دیا ہے اور مسلمان تعلیمی و معاشی میدان میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

عدلیہ، انتظامیہ، فوج، پولیس، کالج، یونیورسٹی اور دوسرے سرکاری محکموں میں مسلمانوں کی ملازمت کے لیے کوشش ہو۔

اس کے لیے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو طلبہ کو مفید مشورے دے، طلبہ وہاں سے ہدایات حاصل کریں، کامیاب ہوں، پھر ان کی ملازمت کی راہ میں دشواریوں کا حل فراہم ہو۔

[۵]...... **بے قصور مسلمانوں کی گرفتاری:** مسلم وکلا اور اہلِ ثروت حضرات کی ایک تنظیم ہو، جو بے قصور مسلمانوں کی گرفتاری کا قانونی جائزہ لے اور انھیں ہر ممکن مفت قانونی مدد فراہم کرے۔

[۶]...... **فسادات:** فساد کو روکنے کے لیے ایک ملک گیر تنظیم قائم ہو، جس میں علما، دانش ور، سیاست داں اپنی آواز کو موثر طریقے سے اربابِ اقتدار تک پہنچائیں اور متاثرہ علاقوں میں حکومت کے زیرِ اہتمام انسدادِ فساد کی کوشش کریں۔

[۷]...... **معاشی پس ماندگی:** معاشی پس ماندگی کو دور کرنے کے لیے ملک کے اربابِ ثروت اور ماہرین معاشیات ایک متفقہ لائحۂ عمل طے کر کے معاشی پس ماندگی کا جائزہ لیں اور پس ماندہ افراد کے لیے حل تجویز کریں۔

پائے دار حل.... مستقل اور پائے دار حل اس خام خیال کی رائے میں یہ ہے کہ درج ذیل تین عناصر کی ایک متحدہ قوت بنائی جائے

[۱]**....** گھر گھر میں تعلیم کی شمع جلائی جائے، مستقبل میں ہمارے معاشرے میں کوئی ایسا فرد نہ رہے جو تعلیم یافتہ نہ ہو اور کوشش یہ کی جائے کہ ذہین، محنتی، باحوصلہ طلبہ اعلیٰ تعلیم ضرور حاصل کریں۔ ان میں جس کا رجحان جس فن کی طرف زیادہ ہو وہ اس فن میں باکمال بنے، اور اس کے لیے ان کا مالی تعاون بھی کیا جائے، ممکن ہو تو ترغیبی انعامات انھیں دیے جائیں۔

نیز عصری علوم سے وابستہ طلبہ ضروریات دین سے واقفیت کی حد تک دینیات بھی حاصل کریں اور مدارس دینیہ سے وابستہ طلبہ بھی اس حد تک عصری علوم ضرور حاصل کریں کہ ان کی بنیاد پر یونیورسٹیوں میں ان کا داخلہ آسان ہو اور اس طرح سائنس، سیاست، طب، تدریس، تحریر، حفاظت اور انتظام وغیرہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہمارے تعلیم یافتہ افراد پھیل جائیں اور ملک کی ہمہ جہت تعلیم و ترقی میں بھرپور حصہ لیں اور اپنی زریں خدمات کے ذریعہ دنیا کے لیے نمونۂ عمل بن جائیں۔

[۲]**....** ساتھ ہی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت وغیرہ ذرائع معاش میں بھی اپنی حیثیت مضبوط سے مضبوط تر بنائیں اور اپنا ہاتھ حاجت مندوں کے لیے کھلا رکھیں، اپنے سرمائے کے ایک حصے سے ملک و ملت کی خدمت کریں۔

یاد رکھیے! بغیر تعلیم کے ہم کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتے اور بغیر تعلیمی استحکام کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد قوم کو فراہم نہیں کر سکتے، یہ دونوں دو قوتیں حقیقت میں کسی بھی قوم کی ایسی دو عظیم قوتیں ہیں جن کے بل بوتے پر بلند چوٹیاں سر کی جا سکتی ہیں، حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: «وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بغیر سرمائے کے نہ چلے گا» (منقول از فتاویٰ رضویہ) تو غور فرمائیے کہ پھر دنیا کا کام بغیر سرمائے کے کیوں کر چل سکتا ہے۔

[۳]**....** تیسری قوت "حسنِ کردار" ہے۔ ہم صداقت، عدالت، حیا، رحم، پارسائی، تواضع، عزت نفس کے پیکر بنیں، نماز و روزہ وغیرہ طاعات

کے پابند ہو جائیں اور کذب، ظلم، خیانت، بدی، اکل حرام غرضے کہ خدائے پاک کی ہر نافرمانی سے بچیں، اگر ہم نے یہ تینوں قوتیں حاصل کر لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ وطن عزیز کا ذرہ ذرہ ہمارا احترام کرے گا اور ساتھ ہی الزامات کی برقی صدائیں فضاؤں میں بکھر کر رہ جائیں گی۔

[۴]**....** اس کے ساتھ ہمیں کچھ باتوں سے پرہیز بھی کرنا ہوگا، باہم نفاق، مشربی تعصب، بڑوں کی بے ادبی، اور چھوٹوں کی تذلیل کی فضا ہرگز پیدا نہ ہونے دیں۔ ہر مسئلے کا حل فتویٰ کے نفاذ کے ذریعہ نہ ڈھونڈیں، کام کے لوگوں کی عزت کریں، اور وہ بجا طور پر بڑوں کے دستِ شفقت کے محتاج ہیں۔ حدیث «ومن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا» کو ہمیشہ یاد رکھیں اور باہم متحدہ قوت بنیں۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشیدِ مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے

صفحہ ۲۹ کا بقیہ......

عجلت اگر بخواہی نصرت اگر بخواہی
کن پیروی خدا را در قول قُدسیانہ

ترجمہ: - اے مخاطب! اگر تو عجلت چاہتا ہے یا اللہ کی مدد چاہتا ہے تو خدا کے لیے اللہ کے نیک بندوں کے قول کی پیروی کر۔

تا سال بہتری از کان زھوقاً آید
مہدی عروج سازد از مہدِ مہدیانہ

ترجمہ: - حتی کہ بہترین سال وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا والا سال آجائے گا۔ امام مہدی مہدیانہ ہدایت والے عروج پکڑیں گے۔

ناگاہ بہ موسمِ حج مہدی عیانِ باشد
ایں شہرتِ عیانش مشہور در جہانہ

ترجمہ: - اچانک حج کے ایام میں امام مہدی ظاہر ہوں گے۔ ان کی ظاہر ہونے والی یہ شہرت دنیا میں مشہور ہوگی۔

زیں بعد از اصفہان دجّال ہم در آید
عیسیٰ برائے قتلش آید ز آسمانہ

ترجمہ: - اس کے بعد اصفہان شہر سے دجال کافر ظاہر ہوگا۔ عیسیٰ عزوجل تعالیٰ اس کے قتل کرنے کے لیے آسمان سے تشریف لائیں گے۔

خاموش باش نعمت! اسرارِ حق مکن فاش
در سال کنت کنزاً باشد چنیں بہانہ

ترجمہ: - اے نعمت اللہ شاہ! خاموش ہو جا، رب کے رازوں کو ظاہر نہ کر۔ (کنت کنزاً) پانچ سو اڑتالیس ہجری میں میں واقعات بیان کر رہا ہوں۔

ص: ۵۰ کا بقیہ

حافظ وہ عندلیب ہوں جب مر گیا تو پھر
ڈھونڈا کریں گے پھول چمن در چمن مجھے

آج سے بتیس سال قبل میری طبیعت علیل ہوئی، اس وقت میں اجمل العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا، مدرسہ چھوڑ کر مجھے علالت کی وجہ سے اپنے گھر جانا پڑا۔ دو ماہ تک زیر علاج رہا، مگر ہم دردی و اعانت کا یہ عالم کہ چند بار میرے غریب خانہ پر عیادت کے واسطے تشریف لے گئے۔ خاص بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت نے ایامِ علالت کی تنخواہ ہر ماہ میرے غریب خانہ پر پہنچا بھیجو آج کے دور میں ناممکن نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ آج ان کے جانے کے بعد ان کے اخلاص و وفا کی بہت یاد آ رہی ہے، اور میری زبان پر یہ شعر جاری ہو رہا ہے۔

ان کا خیال ان کا تصور لیے ہوئے
بیٹھا ہوں کائنات کی دولت لیے ہوئے

مفتی اعظم سنبھل کا سانحۂ ارتحال ملتِ اسلامیہ کا عظیم نقصان ہے، موت العالِم موت العالَم کے مترادف ہے۔ یعنی عالم دین کی موت عالم کی موت ہے۔

مرحوم ملت اپنے اہل خانہ میں زوجہ، چار لڑکوں اور ایک لڑکی کو چھوڑ کر سفر آخرت کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت کے جنازہ میں سنبھل، مراد آباد، بدایوں، امروہہ اور دیہات کے بے شمار لوگوں نے شرکت کی۔ علمائے کرام کا بھی جمِ غفیر تھا۔ مذہبی و سیاسی حضرات نے بھی کافی تعداد میں آ کر خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نمازِ جنازہ مفتی صاحب مرحوم کے خلف اکبر محترم مولانا قاری منظیم اشرف صاحب نے پڑھائی اور ہزاروں سوگواروں، شاگردوں اور محبین کے اجتماع میں ۱۷ر اکتوبر بروز اتوار بعد نمازِ ظہر سرزمین سنبھل دیپا سرائے چوک میاں صاحب والی مسجد کے احاطہ میں حضرت کو سپردِ آغوشِ رحمت کر دیا گیا۔ ارحم الراحمین مفتی صاحب مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

لغزشِ زبان سے صادر ہونے والے نازیبا کلمات

کب کفر ہیں اور کب نہیں؟

مفتی محمد نظام الدین رضوی

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی زبان سے کوئی حق بات کہنا چاہتا ہے، مگر زبان پھسل جاتی ہے اور اس سے نازیبا کلمات صادر ہو جاتے ہیں، بسا اوقات وہ کلمات کفر و شرک کے دائرے تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ غیر اختیاری و غیر ارادی طور پر آناً فاناً ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی انسان سیدھی راہ پر چل رہا ہو اور اچانک اس کا پاؤں پھسل جائے اور وہ زمین پر ڈھیر ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اس کے قصد و اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک ناگہانی سانحہ ہوتا ہے جو کسی بھی دانا و بینا کے ساتھ پیش آسکتا ہے۔

فرض کیجیے کہ یہ سانحہ کسی مسجد یا گھر میں ایسی جگہ پیش آیا، جہاں قرآنِ عظیم رکھا ہوا تھا اور پھسلنے کے ساتھ ہی اس کے قدم قرآنِ مقدس پر پڑ گئے، یا یہ جنبی تھا اور پھسل کر مسجد میں جا گرا تو کیا یہاں شریعت اپنا وہی فرمان صادر کرے گی جو قصد و اختیار سے ان حدود اللہ کے توڑنے پر کرتی ہے یا اسے اپنے قلم رو سے باہر رکھے گی؟

شرعاً اس کا جو جواب ہو سکتا ہے وہ سب پر عیاں ہے، پھر زبان کے پھسلنے کا حکم بھی اس سے مختلف نہ ہونا چاہیے، چناں چہ متعدد فقہاے امت نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ لغزشِ زبان کی وجہ سے کسی مسلمان سے کفر کا کلمہ صادر ہو گیا تو اس پر حکم کفر نہ ہوگا، فقیہ النفس، امام جلیل الشان امام فخر الدین قاضی خان صاحب فتاویٰ خانیہ، محقق عظیم امام ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق، منتخب و مستند فقہاے ہند اصحاب فتاویٰ عالم گیریہ اور خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی عنہم نے واضح الفاظ میں بغیر کسی قید و بند کے شریعتِ طاہرہ کی طرف سے اسی حکم کی ترجمانی کی ہے اور بہت واضح الفاظ میں کی ہے۔

فتاویٰ عالم گیریہ میں ہے:

«اَلخاطئ اذا جری علیٰ لسانه کلمةُ الکفر خَطاءً بأن کان یرید أن یتکلّم بما لیس بکفر فجریٰ علیٰ لسانه کلمة الکفر خطاءً لم یکن ذٰلك کفراً عند الکلّ، کذا فی فتاوی قاضی خان.»

غلطی سے کسی کی زبان پر کلمۂ کفر جاری ہو گیا، یعنی وہ ایسی بات بولنا چاہتا تھا جو کفر نہیں مگر غلطی سے اس کی زبان سے کلمۂ کفر نکل گیا تو وہ کفر نہیں۔ تمام ائمہ کا یہی مذہب ہے، ایسا ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

[فتاویٰ عالمگیریہ، ص:۲۷٦، ج:۲، موجباتِ کفر]

رد المحتار میں ہے:

«قال فی البحر: و من تکلّم بها [ای بِکَلِمَةِ الکفر] مُخطِئًا او مُکرَهًا لا یکفر عند الکلّ.»

بحر الرائق میں ہے کہ جس نے غلطی سے یا کسی کے سخت مجبور کرنے پر کلمۂ کفر بول دیا تو وہ کافر نہیں، یہی سب کا مذہب ہے۔

[رد المحتار معروف بہ شامی، ص:۳۵۸، ج:٦، کتاب الجہاد باب المرتد]

یہ تمام فقہاے کرام علی الاطلاق کفر نہ ہونے کا حکم صادر کر رہے ہیں، اس لیے یہ حکم اپنے اطلاق پر باقی رہے گا، اِلّا یہ کہ کوئی قرینۂ تقیید پایا جائے۔

کفر حقوق اللہ کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرتے ہی بندہ بارگاہِ الٰہی کا سب سے بڑا مجرم اور شقی ہو جاتا ہے۔ اللہ عز و جل اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا رشتۂ اسلام ٹوٹ جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس کے حق میں خداے پاک کی رحمت و مغفرت کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا۔

صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

ایک طرف اتنے ہول ناک جرم کا تصور کیجیے اور دوسری طرف بندے کی اس عاجزی اور مجبوری کو دیکھیے کہ وہ کلمۂ حق بولنا چاہ رہا تھا مگر زبان کی لغزش سے اضطراراً کلمۂ کفر نکل گیا۔ کیا عقل سلیم باور کرتی ہے کہ ایسے اضطرار اور عاجزی کے عالم میں نکلے ہوئے لفظ کی پاداش میں خداے رحیم و کریم اسے اپنی بارگاہ کا سب سے بڑا مجرم قرار دے پھر اسے جہنم کی ابدی سزا کا سزاوار بنا دے؟ ہرگز نہیں، اس لیے فقہاے اسلام نے لغزشِ زبان کا جو حکم بیان کیا ہے وہ قطعاً بجا اور عقل سلیم کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کے نصوص بھی اسی کے شاہد ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم نے اپنے ماننے والوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

«رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا.»

اے ہمارے پالن ہار، اگر ہم بھول جائیں، یا ہم سے خطا و لغزش ہو جائے تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔

[اخیر سورۂ بقرہ]

خداے کریم نے اپنے بندوں کی یہ دعا قبول فرمالی اور ان سے بھول چوک، لغزش سے صادر ہونے والے امور کو گناہ کی فہرست سے ہی خارج کر دیا اور آخرت میں وہ قہار و جبار مولیٰ اپنے بندوں کو بھول چوک، لغزش پر سزا نہیں دے گا، چناں چہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اس دعا پر اللہ عز و جل نے فرمایا: «نعم»، ہاں! « قد فعلتُ »، میں نے ایسا کر دیا۔

[صحیح مسلم شریف، کتاب الایمان، ص:۷۸، ج:۱]

امام حجۃ الاسلام ابو بکر جصاص رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

«النّسیان الّذی هو ضدّ الذّکر فانّ حکمه مرفوع فیما بین العبد و بین الله تعالیٰ فی استحقاق العقاب والتکلیفُ فی مثله ساقط عنهُ والمواخذة به فی الآخرة غیر جائز.»

بھول ضد ہے یاد کی، اس کا حکم بندے اور اللہ عز و جل کے درمیان عذاب کا سزاوار ہونے کے تعلق سے اٹھا دیا گیا ہے اور اس طرح کے عارضہ سے بچنے کا حکم ساقط ہے اور آخرت میں اس پر مواخذہ ناجائز۔

[احکام القرآن للجصاص الرازی، ص:۲۷۸، ج:۱]

نیز امام موصوف فرماتے ہیں:

«و قول النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: « رُفِعَ عَن أُمَّتِي الخطاءُ والنِّسیان » مقصورٌ علی المأثم ایضًا.»

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ «میری امت سے بھول چوک اٹھا دی گئی» بھی گناہ پر محمول ہے [یعنی امت سے بھول چوک کا گناہ اٹھا دیا گیا۔]

[احکام القرآن، ص:۲۷۸ ج:۱]

تفسیر جلالین شریف میں ہے:

« قولوا: [رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا] بِالعقاب [اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا] ترکنا الصّواب لا عن عمد کما اُخذتَ به مَن قبلنا وقد رَفع الله ذلك عن هٰذه الأُمّة کما ورد فی الحدیث فسُؤالُهٗ اعترافٌ بنعمة الله اه.»

اور تم لوگ یہ دعا پڑھو: اے ہمارے رب، ہم سے مواخذہ نہ فرما اور عذاب نہ دے اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے، یعنی بلا قصد ہم درست راہ سے ہٹ جائیں جیسا کہ تو نے ہمارے پہلوں سے مواخذہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک پر مواخذہ کو اٹھا دیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ تو پھر مواخذہ نہ کرنے کی دعا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف ہے۔

[تفسیر جلالین شریف، ص: ٤٥، مجلس برکات]

اشباہ میں ہے:

«واختلفوا فی الفرق بین السهو والنّسیان والمعتمدُ أنهما مترادفان، و اتفق العلماءُ علیٰ أنّهٗ مُسقِطٌ للاثم مطلقاً للحدیث الحسن: «انّ الله تعالیٰ وضعَ عن أُمّتی الخطأ والنّسیان وما استکرهوا علیه.»

بھول اور چوک کے درمیان فرق ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے اور معتمد یہ ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے اور اس پر علما کا اتفاق ہے کہ بھول چوک کا گناہ ساقط ہے۔ دلیل یہ حدیثِ حسن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور اکراہ کو اٹھا دیا ہے۔

[الاشباہ والنظائر، ص:٥٧٤، احکام الناسی من الفن الثالث فی الجمع والفرق]

یہ حدیث ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور کہا کہ امام

بخاری و امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، ہاں شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ [غمز العیون والبصائر، ص:۵ ج:۳]

طحاوی شریف اور مشکوۃ میں اس کے الفاظ ہیں:

«عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم قال: انّ اللہ تجاوز عن أُمّتی الخطأ والنّسیان وما استُکرھوا علیہ. رواہ ابن ماجۃ والبیھقی.»

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے میری امت سے بھول چوک اور اکراہ [حد درجہ مجبوری اور بے بسی] کو در گزر فرمادیا۔ ابن ماجہ، بیہقی۔

[مشکوٰۃ المصابیح ص:۵۸٤، باب ثواب هذه الامة/ طحاوی شریف، ص:۵٦، ج:۲، باب طلاق المکره]

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

«الخَطاءُ: المرادُ به هنا مالم یتعمّده، والمعنی أنّه عفا عن الاثم المترتّب علیه بالنسبة إلیٰ سائر الأمم اھ.»

خطا یا چوک سے مراد ہے جس کا قصد نہ ہو اور حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ دوسری امتوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے خطا پر جو گناہ مرتب ہوتا اسے اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے معاف فرمادیا۔

[مرقاۃ المفاتیح ،ص:٤٧١، ج:۱۱، بیروت]

اسی کے ہم معنیٰ صراحت حضرت محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اشعۃ اللمعات، ص:۳۰۷، ج:۴ میں فرمائی ہے۔

کتاب و سنت اور ارشادات علما سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک کا گناہ معاف فرمادیا ہے اور ایسے لوگ قیامت کے دن بھول چوک کی سزا سے محفوظ ہیں۔

اس لیے فقہاے کرام نے لغزشِ زبان کا جو حکم بیان فرمایا ہے وہ یقیناً حق و بجا ہے۔

ہاں! کوئی بھی بات اپنے ثبوت کے لیے دلیل اور شاہد کی محتاج ہوتی ہے اس لیے جب کسی دلیل یا شاہد سے ثابت ہو کہ واقعی کلمۂ کفر لغزشِ زبان کی وجہ سے ہی صادر ہوا ہے تبھی اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً کسی کی زبان پھسلی اور کلمۂ کفر نکل گیا، مگر اس نے یاد آتے ہی فوراً اصلاح کرلی۔ حاضرین اس کی شہادت دیتے ہیں یا اپنے پرائے سبھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، تو تسلیم کیا جائے گا کہ واقعی زبان پھسلنے کی وجہ سے ہی یہ خطا سرزد ہوئی۔

اور اگر اس نے خود اپنی اصلاح نہ کی، مگر جب گرفت ہوئی تو کہتا ہے کہ سبقتِ لسانی سے ایسا ہو گیا، زبان پھسل گئی تو اس صورت میں یہ بات مشکوک ہو گئی کہ واقعی یہاں لغزشِ زبان ہوئی۔ ہوسکتا ہے وہ غلط کہتا ہو، اور ہوسکتا ہے وہ سچ بولتا ہو۔ یہاں قاضی یا مفتی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے یقینی طور پر معلوم کرسکے کہ اس سے لغزشِ زبان ہوئی۔ ہاں خداے علیم و خبیر سب کچھ جانتا ہے، اس لیے ایسے قضیہ کا حکم فقہاے کرام یہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ فی الواقع سچا ہے تو عند اللہ مسلمان ہے لیکن ہمیں اس کی صداقت معلوم نہیں اور شریعت کا فرمان ہے کہ فتویٰ ظاہر پر دیا جائے اس لیے حکم دیا جائے گا کہ اسلام سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا وہ توبہ و تجدیدِ ایمان کرے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی صورتِ حال کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے، فرماتے ہیں:

«إذا أراد أن یتکلّم بکلمة مباحة فجریٰ علی لسانه کلمة الکفر خطاءً بلا قصد لا یصدّقه القاضی وان کان لا یکفر فیما بینه وبین ربه تعالیٰ. اھ»

جائز بات بولنا چاہ رہا تھا کہ اس کی زبان سے بلا قصد، غلطی سے کلمۂ کفر صادر ہو گیا تو قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا اگرچہ عند اللہ وہ کافر نہ قرار پائے گا۔

[رد المحتار، ص:۲۸۹، ج:۳]

اس عبارت سے ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ کلمۂ کفر بولنے والا جب قاضیِ اسلام کے یہاں ماخوذ ہوا تو اس نے یہ اظہار کیا کہ لغزشِ زبان کے سبب کلمۂ کفر نکل گیا۔ اس کا ارادہ کفر کی بات بولنے کا نہ تھا تو قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا کیوں کہ قاضی اس کے مافی الضمیر سے آگاہ نہیں اور یہاں اس کے دعوئ لغزشِ زبان پر کوئی شرعی دلیل بھی نہیں، ہاں! اس کا اپنا بیان ہے۔ لیکن اگر کسی مجرم کے بیانِ صفائی پر فیصلہ صادر کیا جائے تو کوئی مجرم مجرم نہ رہے اور دنیا سے امان اٹھ جائے۔ خود اسی کفر کے مسئلے میں شرمِ نبی اور خوفِ

خدا نہ رکھنے والے سیکڑوں بار خداے ذو الجلال اور رسولِ گرامی وقار ﷺ کی بارگاہ میں گستاخانہ کلمات بکیں گے اور مواخذہ کرنے پر لغزشِ زبان اور سبقتِ لسانی کا عذر پیش کردیں گے۔ اس لیے عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ بلا دلیل اس طرح کا دعویٰ قاضیانِ اسلام کی عدالت سے مسترد کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فقیہ فقید المثال، مجدد اسلام، امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خاص صورت کا حکم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

«ائمة الدّین لم یقبلوا زلل اللّسان فی الکفر و إلّا لَاجترأ کُلّ خبیث القلب أن یجاھر بسبّ اللہِ وسبّ رسولہٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و یقول: زلّت لسانی قال الامام القاضی عیاض فی الشفاء الشریف: لا یعذر أحدٌ فی الکفر بدعویٰ زلل اللّسان اھ و فیه ایضاً: عن أبی محمد بن أبی زید لا یعذر بدعویٰ زلل اللّسان فی مثل ھٰذا. اھ»

ائمۂ دین نے کفر کے بارے میں لغزشِ زبان کا دعویٰ قبول نہیں کیا، ورنہ ہر بد باطن جری ہو جائے گا اور کھلے طور پر اللہ عز و جل اور اس کے رسول ﷺ کو گالیاں دے گا، پھر کہہ دے گا کہ زبان پھسل گئی تھی۔ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں کہ کفر کے بارے میں کسی کی لغزشِ زبان کا عذر مقبول نہ ہوگا، نیز اس میں امام ابو محمد بن ابو زید سے منقول ہے کہ اس طرح کے کفریات [یعنی شانِ رسالت میں کھلی گستاخی کے کلمات] میں لغزشِ زبان کے دعویٰ پر کوئی معذور نہ ہوگا۔

[فتاویٰ رضویہ، ص:۱۷۲، ج:٦، سنی دار الاشاعت]

لیکن اگر لغزشِ زبان پر دلیل ہو تو یہ عذر قابلِ قبول ہوگا۔

چناں چہ مجددِ اسلام فرماتے ہیں:

«واقع میں اگر اس کی زبان بہکی تو عند اللہ کفر نہ ہوگا مگر مفتی بلا دلیل اس دعوے کو قبول نہ کرے گا۔ شفا شریف میں ہے: «لا یقبل دعوی زلل اللسان. اھ»

[فتاویٰ رضویہ، ص:۱۸۱، ج:٦، سنی دار الاشاعت]

اس عبارت کا واضح مفاد یہ ہے کہ اگر لغزشِ زبان پر دلیل موجود ہو تو مفتی اسے قبول کرے گا ورنہ قولِ بے دلیل و بادلیل کو ایک درجے میں رکھنا لازم آئے گا جو یقیناً عقل و شرع کے خلاف ہے۔

راقم الحروف کی اس تحریر سے بالاتر ہو کر موجباتِ کفر کے فقہی جزئیات کا جائزہ لیجیے تو بادی النظر میں ان کے درمیان تعارض نظر آئے گا، کیوں کہ یہ جزئیات دو نوع کی ہیں۔

✸ پہلی نوع کے جزئیات میں یہ صراحت ہے کہ لغزشِ زبان سے صادر ہونے والے کفر(ی) کلمات بالاتفاق کفر نہیں۔

✸ اور دوسری نوع کی جزئیات میں یہ صراحت ہے کہ قاضی لغزشِ زبان کا دعویٰ قبول نہ کر کے حکم کفر جاری کر دے، گو وہ عند اللہ کافر نہ ہو۔

پہلی نوع کی جزئیات کو عند اللہ یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ سے مقید نہیں کیا گیا ہے اور مفتی حکم ظاہر پر ہی دیتا ہے۔ اس لیے اس کا تقاضا یہ ہے کہ نوعِ اول میں کلمۂ کفر کا قائل قاضی و مفتی کے نزدیک کافر نہیں اور نوعِ دوم میں کافر ہے جو کھلا ہوا تعارض ہے۔ مگر سچائی یہ ہے کہ ان جزئیات کے درمیان ذرہ برابر بھی کوئی تعارض نہیں۔ فقیہ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ فرما کر کہ........ «مفتی بلا دلیل اس دعویٰ کو قبول نہ کرے۔»

دونوں انواع کے جزئیات کے درمیان شان دار تطبیق فرما دی ہے، کیوں کہ اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ نوعِ اول کا حکم اس وقت ہے جب لغزشِ زبان پر دلیل موجود ہو، اور نوعِ دوم کا حکم اس وقت ہے جب اس پر دلیل نہ ہو۔ کلامِ رضا کی روشنی میں فقہی جزئیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ قلم لغزش سے محفوظ رہے گا۔

اس مقام پر پہنچ کر ہم ایک مثال کی روشنی میں اس مسئلے کو اور واضح کرتے ہیں:

«ایک خطیب نے صفا و مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سعی کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ:

«اب قیامت تک جتنے نبی آئیں گے، اللہ کے رسول ﷺ آخری نبی بن کر تشریف لائے، اب اللہ کے رسول ﷺ کے بعد جتنے بھی برگزیدہ بندے اس فرشِ گیتی پر تشریف لائیں گے، ہر ایک کو حضرت رسولِ مختار ﷺ کو بھی، رسولِ اعظم کے صحابہ کو بھی، اولیاے کرام کو بھی جب جب عمرہ کرنا ہوگا تو حضرت ہاجرہ کے

طریقے پر عمل کرنا ہوگا، ایک عالم صاحب نے اس بیان پر کفر اور تجدیدِ ایمان کا حکم دیا ہے، کیا اس میں کوئی جملۂ کفر ہے؟»

اس سوال کا جواب کیا ہے، اسے درج بالا جزئیات میں تلاش کیجیے، خطیب کا جملہ «اب قیامت تک جتنے بھی نبی تشریف لائیں گے» بظاہر کفر معلوم ہوتا ہے، مگر اس کا قائل کافر ہے یا نہیں اس میں اختلاف رونما ہو گیا ہے۔ ہمارے کچھ علما فرماتے ہیں کہ قائل کافر ہے اور ان کی دلیل نوعِ دوم کے مذکورہ جزئیات ہیں، مگر راقم الحروف کا موقف یہ ہے کہ قائل کافر نہیں، کیوں کہ یہ جملہ خطیب کی لغزشِ زبان کی وجہ سے صادر ہو گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے یہ جملہ زبان سے نکلتے ہی فوراً اس کی اصلاح کرلی اور بلا تاخیر اعلان کر دیا کہ «اللہ کے رسول ﷺ آخری نبی ہیں، اب اللہ کے رسول ﷺ کے بعد جتنے بھی برگزیدہ بندے، اس فرشِ گیتی پر تشریف لائیں گے۔» خطیب کے یہ اصلاحی کلمات سائل نے نقل کر کے اس امر کا اقرار کیا ہے کہ خطیب نے فوراً ہی وہ اصلاح کرلی تھی اور منبرِ وعظ پر جلوہ افروز جس عالمِ دین نے خطیب پر کفر اور تجدیدِ ایمان کا حکم دیا انھیں بھی درج بالا کلمات سے انکار نہیں ہے، تو ان کی طرف سے بھی اعتراف ہے کہ خطیب نے فوراً اصلاح کرلی تھی۔ سائل نے بتایا کہ خطیب کی تقریر انھیں کی آواز میں سی.ڈی. میں بھی محفوظ ہے، جس کی حاضرین تصدیق کریں گے۔ تو یہ تمام امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مقرر نے وہ کلمہ (جو بظاہر کفر لگتا ہے) قصد و اختیار سے نہیں کہا، بلکہ زبان پھسل جانے کی وجہ سے اس کے منہ سے نکل گیا، لہٰذا خطیب کا یہ جملہ نوعِ اول کی جزئیات کے تحت آئے گا اور حکم ہوگا کہ خطیب تمام ائمہ کے نزدیک کفر سے محفوظ اور مسلمان ہے۔

پھر یہ حکم بھی اس وقت ہے جب وہ جملہ کفر ہونے کے لیے متعین ہو اور اس میں توجیہ و تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ یہاں احتمال ہے کہ خطیب کی مراد لفظ «اب» سے «زمانۂ وعظ» نہ ہو، بلکہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سعی کے بعد کا زمانہ ہو۔ یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی سعی کے بعد قیامت تک جتنے بھی نبی آئیں گے، واضح رہے کہ حضور سیدِ عالم ﷺ قیامت تک کے لیے نبی ہیں اور حضرت ہاجرہ کی سعی کے بعد سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بہت نبی آئے۔

نیز احتمال ہے کہ خطیب کی مراد «جتنے بھی نبی» سے نئے نبی کا ظہور نہ ہو بلکہ بعض انبیاے سابقین مثلاً حضرت سیدنا عیسیٰ و سیدنا الیاس و سیدنا خضر علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عمرے کے لیے آمد ہو بلکہ یہی اس کی مراد ہے، کیوں کہ اس کے آگے والے کلام میں اس کی صراحت ہے۔ اور اخیر کے دو انبیاے کرام تو ہر سال حج کے موقع سے خانۂ کعبہ تشریف بھی لاتے ہیں۔ مگر تعبیر میں ایک احتمال کفر کا بھی تھا، اس لیے خطیب نے اس کی اصلاح کرلی۔

الغرض جب خطیب کا وہ جملہ کفر ہونے کے لیے متعین نہیں پھر وہ جملہ جیسا بھی ہو، لغزشِ زبان کی وجہ سے صادر ہوا ہے، جیسا کہ اس کے شواہد اس پر دلالت کرتے ہیں تو خطیب کو کافر قرار دینا ہرگز روا نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«فقہاے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں، ان میں ۹۹ر پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک پہلو اسلام کی طرف تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے، ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوے کفر ہے تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا، وہ عند اللہ کافر ہی ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید کہے «**عمرو کو علم قطعی یقینی غیب کا ہے**» اس کلام میں اتنے پہلو ہیں۔

پھر بیس پہلو بیان فرما کر لکھتے ہیں:

«۲۱- عمرو کو رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے سمعاً یا عیناً یا الہاماً بعض غیوب کا علم قطعی اللہ عزوجل نے دیا یا دیتا ہے، یہ احتمال خالص اسلام ہے، تو محققین فقہا اس قائل کو کافر نہ کہیں گے کہ اگرچہ اس کی بات کے اکیس پہلوؤں میں بیس کفر ہیں مگر ایک اسلام کا بھی ہے۔ احتیاط و تحسین ظن کے سبب اس کا کلام اسی پہلو پر حمل کریں گے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے کوئی پہلوے کفر ہی مراد لیا۔

شرح فقہ اکبر میں ہے:

قد ذكروا أن المسئلة المتعلقة بالكفر إذا كان لها تسع وتسعون احتمالاً للكفر واحتمالٌ واحدٌ في نفيه فالاولىٰ للمفتي والقاضي أن يعمل بالاحتمال النافي.

تاتارخانیہ و بحر و سل الحسام و تنبیہ الولاۃ و غیرہا میں ہے:

لا يكفر بالمحتمل لأن الكفر نهاية في العقوبة فيستدعي نهاية في الجناية ومع الاحتمال لا نهاية.

بحر الرائق و تنویر الابصار و حدیقہ ندیہ و تنبیہ الولاۃ و سل الحسام و غیرہا میں ہے:

والذي تحرَّرَ أنه لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن الخ.

[تمہیدِ ایمان، ص: ۱۲۳ تا ۱۲۶]

فقیہ عبقری امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس انکشافِ حق سے خطیب مذکور کا حکم بہت واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے اہلِ حق کو اسے قبول کرنا چاہیے۔

راقم الحروف سے خطیب کی تقریر کا وہ اقتباس نقل کر کے لوساکا زامبیا سے ایک صاحب نے اس کا حکم دریافت کیا تھا تو اس نے کثرتِ کار کی بنا پر اختصار کے ساتھ حکم لکھ دیا اور شہادت میں نوعِ اول کے جزئیات نقل کر دیے، مگر بقول کسے: ؏

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کچھ حضرات نے اس عاجز پر عنایات کی بارش شروع فرما دی اور زبان پر جو کچھ بھی کلمات آسکے ارشاد فرما دیے۔ ہم تو اسے ان کی لغزشِ زبان پر ہی محمول کرتے ہیں، گو ممکن ہے کہ یہ ان کے دل میں چھپے ہوئے جذبات کا اظہار ہو۔ الغرض کچھ بھی ہو ہم نے اپنے فتوے کی وضاحت میں دونوں انواع کے جزئیات اور فتاویٰ رضویہ کے ایک مختصر اقتباس سے ان کی تطبیق پیش کر دی ہے، جس سے عیاں ہو جاتا ہے کہ ہر نوع کا جزئیہ الگ الگ صورت پر محمول ہے۔ اس لیے ان کا حکم بھی الگ الگ ہے۔ ہمارے فتاویٰ کی بنیاد الحمد للہ فتاویٰ رضویہ پر ہوتی ہے۔ مگر ہم ہر فتوے کو اس طرح کا توضیحی مضمون نہیں بنا سکتے، اور زبان کی حفاظت تو اس طرح کے امور میں ہر انسان کو کرنی چاہیے، نہ کہ علماے کرام جن کی پیروی عوام کرتے ہیں، اور وہ اس طرح کی عنایتوں سے علما پر جری ہو سکتے ہیں۔ مفتی معصوم نہیں ہوتا، اس سے خطا ہو سکتی ہے اور خداے کریم سے توقع ہے کہ اس کی خطا سے درگزر فرمادے مگر کیا ایسے عالم یا مفتی پر زبانِ شرافت وا کرنے کا حکم بھی ایسا ہی ہے، وہ بھی خاص کر اس صورت میں جب کہ واقعی اس میں خطا بھی نہ ہو؟

من آں چہ شرط بلاغ ست با تو می گویم
تو خواہ از ین سخنم پند گیر، خواہ ملال

فتویٰ کے اخیر میں یہ تنبیہ بھی ہے:

خطیب پر یہ امر واضح رہے کہ حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد کی امتِ مرحومہ نے جو صفا و مروہ کی سعی فرمائی یا سعی فرمائیں گے وہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا ایک حکم قرار دے دیا ہے۔ تو ہم اپنی شریعت پر ہی عمل کرتے ہیں نہ کہ کسی سابقہ شریعت پر۔ لیکن یہ بات بجا ہے کہ یہ سعی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سعی کی یادگار ہے۔ وعظ میں یہ وضاحت ہونی چاہیے [اور یہ تعبیر بدل کر مناسب تعبیر اختیار کرنی چاہیے] اور اپنے مہربانوں سے عرض ہے:

؏ بدم گفتی و خرسندم نکو گفتی ھداک اللہ

تحقیقی نقطۂ نظر

اوقاف ومساجد کی زمین کا شرعی حکم

مولانا یٰسین اختر مصباحی

نماز کے لیے مخصوص زمین جسے مسجد کہا جاتا ہے وہ مسجد ہوجانے کے بعد ہمیشہ کے لیے مسجد ہوجاتی ہے، خواہ اس کی عمارت ہو یا نہ ہو۔ مسجد دراصل زمین کا نام ہے۔ تعمیر شدہ مسجد کی عمارت باقی رہے یا نہ رہے اس سے اس کی مسجدیت کبھی ختم نہیں ہوتی اور کسی مسجد کی زمین کے کسی ایک جز اور حصے سے بھی کوئی مسلمان کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا، اسی طرح اس پر کسی غاصب وقابض وظالم کے ظلماً قابض ہوجانے کو مسلمانوں کی طرف سے نہ گوارہ کیا جاسکتا ہے نہ کسی انداز اور کسی طریقے سے اس قبضہ وتصرف پر رضامندی ظاہر کی جاسکتی ہے۔

سو دو سو سال نہیں بلکہ صدیوں پہلے علما وفقہاے اسلام نے اپنی ان کتابوں میں جو قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھی گئی ہیں، بڑی صراحت کے ساتھ یہ شرعی حکم تحریر کردیا ہے کہ مسجد کی وہ زمین جو نماز کے لیے مخصوص ہوکر مسجد ہوگئی ہے اس کے کسی جز اور حصے کی بیع وھبہ ورہن ومنتقلی وغیرہ کسی حال میں جائز نہیں اور کوئی بھی مسلمان اس کا اختیار نہیں رکھتا کہ کسی شکل میں مسجد کی زمین اور اس کے کسی جز اور حصے کو غیر مسجد قرار دے کر کسی دوسرے کو دے سکے۔ یہاں تک کہ کسی مسجد کی زمین کے کسی جز اور حصے کو پوری مسلم آبادی مل کر بھی کسی مدرسہ یا خانقاہ یا مسافر خانہ وغیرہ کو نہ دے سکتی ہے اور نہ ہی یہ چیزیں کسی مسجد کی زمین پر تعمیر کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح ایک مسجد کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے لیے استعمال نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس واضح شرعی حکم کی بنیاد پر مسلمانوں کے لیے کسی مسجد اور اس کے کسی جز اور حصے کی بیع وھبہ وتقسیم ومنتقلی وغیرہ قطعاً ناقابل قبول وناقابل عمل ہیں۔

ظلم وجبر کے ذریعہ کسی مسجد میں نماز وعبادت سے ممانعت اور اسے ویران کرنے والے لوگ خواہ دنیا کے کسی گوشے میں ہوں وہ اتنے بڑے ظالم ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا. (البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجدوں میں ذکر الٰہی سے روکے اور مسجدیں ویران کرنے کی کوشش کرے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے اوقاف ومساجد کے کئی تنازعات مسلمانانِ ہند کے لیے باعثِ تشویش واضطراب بنے جن کے حل کے لیے انہوں نے اس دور کے معروف علماے کرام اور مستند فقہاے اسلام کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی قدس سرہ وصال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء خلیفۂ فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ محمد مصطفی رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں کئی اہم سوالات آئے جن کے تفصیلی وتحقیقی جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں دیے گئے۔ یہاں نمونہ کے طور پر اوقاف ومساجد سے متعلق چند فتاویٰ اور جے پور (راج پوتانہ) کے ایک حادثہ در ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء اور حادثۂ مسجد شہید گنج لاہور در ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء متعلقہ مساجد کے سلسلے میں دو فتاویٰ پیش کیے جارہے ہیں جن سے اوقاف ومساجد کی زمین کا شرعی حکم صدیوں پرانی اور مستند کتبِ فقہ اسلامی کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اسی حکم وہدایت کے مطابق مسلمانانِ ہند کو عمل کرنا چاہیے۔

اور یہ شرعی اصول وضابطہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ:

"کسی زمین کے مسجد ہوجانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہوجاتی ہے۔ تعمیر شدہ مسجد کی عمارت باقی رہے یا منہدم ہوجائے ہر حال میں وہ مسجد ہی ہے اور اس کی عظمت وحرمت بدستور باقی ہے اس کی مسجدیت کبھی باطل نہیں ہوسکتی اور حدودِ مسجد کے اندر نیچے

بانی وصدر، دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی-۲۵

اوپر، دائیں بائیں ہر طرف اور ہر جگہ صرف مسجد بن سکتی ہے کیوں کہ جو جگہ مسجد ہوگئی اسے کسی طرح مسجد سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے اندر بعدِ تمامِ مسجدیت کوئی دوکان مکان بنانا یا اسے کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں اور اس میں ایسا کوئی کام نہیں کرسکتے جو احترامِ مسجد کے خلاف ہو۔ مساجد کی زمین کے لیے خصوصی حکم کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان اس کے محض ناظم ومتولی ونگراں ہوتے ہیں، ان مساجد کے مالک نہیں ہوتے کہ ملکیتِ زمین میں کوئی تصرف کرکے اس کے کل یا بعض حصے کی ملکیت کی بیع وھبہ ومنتقلی کرسکیں یا اس کی تقسیم پر راضی ہوکر کوئی حصہ مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لیے دے سکیں۔

"مسجد نہ کسی کی مِلک ہے نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے کہ جب تک وقف نہ ہو مسجد نہیں اور جب وقف ہوئی مِلکِ انسان سے خارج ہوگئی۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ.

اور الوقف لایملک، کتبِ فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے الخ (فتاویٰ امجدیہ جلد سوم ص:۱۲۸ از صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی، طبع اول ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف الامجدیہ۔ قصبہ گھوسی، ضلع مئو۔ یوپی)

«جب تک وقف نہ ہو مسجد نہیں ہوسکتی۔ مسجد ہونے کے لیے وقف کرنا شرط ہے۔ اگرچہ یہی لفظ کہے کہ میں نے اسے مسجد کردیا کہ اس سے بھی وقف ہوجائے گا کہ جب تک اس کی مِلک سے جدا نہ ہوگی اللہ کے لیے نہ ہوگی۔ اور جب تک اللہ کے لیے نہ ہو مسجد نہیں۔»

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ. مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ (فتاویٰ امجدیہ۔ جلد سوم ص:۱۳۰)

بے شک مسجد کے لیے وقف ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس نے مسجد کی مثل عمارت بنوائی اور لوگوں کو نماز کے لیے اجازت دے دی اور نماز باجماعت پڑھ لی گئی۔ لفظ وقف زبان سے کہنے یا وقف نامہ تحریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ الخ (فتاویٰ امجدیہ۔ جلد سوم ص:۱۲۳)

جب اس مسجد کا مسجد ہونا ثابت ہوگیا تو اب اگرچہ بنانے والا چاہے بھی کہ میں اپنی مِلک قرار دے دوں تو نہیں کرسکتا۔ قال

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ.

اور نہ اسے نمازیوں کو بلاوجہِ شرعی مسجد میں آنے سے منع کرنے کا کوئی حق ہے۔ وہ اور دیگر مسلمان اس میں نماز پڑھنے کا یکساں حق رکھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ امجدیہ۔ جلد سوم ص:۱۲۳)

« کسی زمین پر مسجد بن جانے کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہوجاتی ہے۔ مسجد کی عمارت باقی رہے یا منہدم ہوجائے ہر حال میں وہ مسجد ہی ہے اور اس کی حرمت بدستور باقی ہے۔ »

« مسجد کے کسی جز کو راستہ میں شامل کرلینا کہ اس پر مومن، کافر، جُنب، حائض سب کی گذرگاہ کردینا مسجد کی سخت توہین ہے، اور یہ حرام ہے۔ » الخ (فتاویٰ امجدیہ جلد سوم ص:۱۲۴)

مسئلہ: — از خان بہادر نواب حاجی غلام محمد خاں صاحب حافظی متولی وقف مدرسہ اسلامیہ سعیدیہ دادون، (علی گڈھ) حافظ منزل خیرآباد، (اودھ) جناب نواب مولوی ظہیر احمد صاحب متولی ومنیجر مدرسہ اسلامیہ نیازیہ خیرآباد، اودھ۔ (موجودہ ضلع سیتاپور۔ یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اوقاف اور جائیدادِ موقوفہ میں کسی مسلم یا غیر مسلم حکومت کا مندرجہ ذیل قوانین وضع کرنا جائز ہیں یا نہیں؟

(۱) ایسا قانون جو بقا اور استحکامِ وقف کے خلاف ہو۔

(۲) ایسا قانون جس سے مزارعین کو حقیتِ انتقالِ آراضی حاصل ہو۔

(۳) ایسا قانون جس سے آمدنی پر ایسا اثر واقع ہو جس سے مداتِ مقرر کردۂ واقف میں خلل واقع ہو۔

(۴) مصارفِ مصرحۂ واقف کے خلاف کسی مصرف کا اضافہ کرنا (جیسا کہ فیس ایڈٹ یا صرف فیصدی کی رقم کا کمشنر اوقاف کو دیا جانا وقف بل کے ذریعہ پاس کیا گیا ہے)

(۵) بوقتِ ضرورت حکومت غیر مسلم کا تحویل محفوظہ موقوفہ میں سے قرض لینا۔

الجواب: — یہ قوانین ظلمِ مبین صریح جور فضیح جفاے قبیح ستم مداخلت فی الدین ہیں۔ ان کا واضع مستحق عذاب مہین۔ حکومت مسلم ہو یا غیر مسلم کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ ظلم کبھی کسی کے نزدیک جائز نہیں ہوسکتا۔ ایسے قوانین بنانے والے، انھیں جاری کرنے والا، ان پر راضی ہونے والا انھیں بخوشی مان لینے والا سخت اشد ظالم جفاکار گنہگار ٹھہرے گا۔ ان اشد ناجائز قوانین کے خلاف جو جس طرح آواز اٹھا سکتا ہو، فرض ہے کہ پوری قوت سے اس کے خلاف آواز اٹھائے۔

بعض قوانین ان میں وہ ہیں جن سے وقف وقف ہی نہیں رہتا اور بعض وہ جن سے املاکِ موقوفہ کو شدید صدمہ پہنچتا اور صریح نقصان

ہوتا ہے۔ بعض وہ ہیں جن کا آمدنی اوقاف پر بدترین اثر پڑتا ہے۔ غرض یہ قوانین اوقاف پر نہایت ظلمِ مبین ہیں۔

کسی کا ظلم بخوشی برداشت کرنا، اس کے خلاف جو کچھ کہہ سکتا کر سکتا وہ نہ کہنا نہ کرنا، ظلم پر راضی ہونا ہے۔ ان قوانین پر ساکت رہنا حرام ہے۔ ان کی منسوخی کی کوشش انتہا تک پہنچانا لازم۔

قال علیه الصلاۃ والسلام: من رضی عمل قوم کان شریک من عمل به.

باوجود قدرت واستطاعت خاموش رہنے والے اس ظلمِ صریح پر آہ بھی نہ کرنے والے، ظالموں میں شمار، ظالمین کی رسی میں بہ حکمِ حدیث گرفتار ہوں گے۔

یہ منکر ہے اور ازالۂ منکر تا حدِ طاقت وقوت فرض۔

قال صلی الله تعالیٰ علیه و اله وسلم: من راي منکم منکراً فلیغیره بیدیه فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلک اضعفُ الایمان.

ہاتھ نہیں اٹھا سکتا، کیا اس ظلم کو ظلم بھی نہیں کہا جا سکتا؟ یہ بھی فرض کیجیے تو اس سے اظہارِ ناراضی پر بھی کیا زبان بندی ہے؟ دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے؟

وقف تو ابداً تا قیامِ قیامت باقی رہنے ہی کے لیے ہے تو جو قانون اس کی بقا کے خلاف ہو وہ سرے سے وقف ہی کو باطل کرنے کا قانون ہے۔ پھر یارب! مداخلت فی الدین کے سر کیا سینگ ہوتے ہیں؟

وقف میں شرطِ واقف سے کمی بیشی حرام ہے کہ شرطِ واقف کا اتباع ایسا ہی لازم جیسا کہ خود نصِ شارع کا۔ (وقف میں) بے اجازتِ خاصۂ شرعیہ تغییر وتبدیل یقیناً ناجائز۔ الاشباہ والنظائر میں فرمایا:

شَرْطُ الواقفِ کَنَصِّ الشَّارع اي فی وَجوبِ العمل به.

وقف کے منافع کے لیے بھی مصارفِ مشروطہ پر زیادت ناجائز ہے۔ امام محقق علی الاطلاق بالغ مرتبۂ اجتہاد امام کمال الدین ابن الہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی جگہ جہاں منافع وقف کے لیے مصارفِ مشروطہ پر زیادت کی جائے۔ امرنا بابقاءِ الوقف علیٰ ما کان۔ جن اوقاف کے واقفین کی شرائط کا پتہ نہ چلتا ہو وہاں کے لیے حکم ہے کہ قدیم الایام سے جو مصارف متولیان یکے بعد دیگرے کرتے چلے آئے ہیں وہی کیے جائیں گے۔ .... جدید تصرف، اس میں بھی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

فتاویٰ خیریہ میں فرمایا:

اذا وجد شرطُ الواقف فلا سبیل الیٰ مخالفته واذا فقد عمل بالاستفاضة والاستیمارات العادیة المستمر من تقادم الزمان الیٰ هذا الوقت والله تعالیٰ اعلم. (ص: ۴۰۰، ۴۰۱، فتاوی مصطفویه، از مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفی رضا بریلوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

مسئلہ: - از مہندرو ضلع پٹنہ۔ درگاہ حضرت شاہ ارزان قدس سرہٗ، مرسلہ: سید شاہ عاشق حسین صاحب۔ ۹ر جمادی الاولیٰ۔ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء۔

بندہ نواز، السلام علیکم۔ مسلمانوں پر اس وقت جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کانگریس گورنمنٹ کی طرف سے بہار مسلم وقف بل کونسل میں پیش ہے۔ مسلم لیگ اس کی مخالف ہے۔ اس بل پر تبصرہ جو شائع ہوا ہے اور اس بل کی مخالفت میں رائے عامہ اور فتاویٰ جو شائع ہوئے ہیں ان کی ایک ایک کاپی کونسل کے ممبران وگورنر و وائسرائے کو بھیج دی گئی ہے۔ ایک کاپی آپ کے ملاحظہ کے لیے بھی بھیجی جاتی ہے اور ایک فرد استفتا منسلک ہے جس پر جناب بھی براہِ عنایت فتویٰ مختصر تحریر فرما کر جلد مجھ کو بھیج دیں۔ آپ کا دعا گو! شاہ عاشق حسین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) مسلمانوں کے اوقاف میں کسی حاکم یا غیر حاکم کو اختیار ہے یا نہیں کہ وہ شرائط وقف کا منشائے واقف کے خلاف مخالفت کرے یا واقف کے مقرر کردہ متولی کے خلاف کوئی جدید قانون بنانے کی اسکیم پیش کرے جب کہ واقف اپنے منشا کے مطابق اپنے مقرر کردہ متولی کے سپرد کیے اور اس اختیار پائے ہوئے متولی نے اپنے بعد کے لیے اپنا جانشین متولی مقرر کیا جس کا اس کے سوا اختیارات یکے بعد دیگرے جانشین متولی کو سپرد ہوتا چلا آیا۔ دراں حالے کہ واقف نے وقف کے اختیارات اپنے منشا کے خلاف نہ تو کسی کمیٹی کے سپرد کیے نہ کسی بورڈ کے مگر گورنمنٹ یہ چاہتی ہے کہ متولی کے اختیارات اپنے مقرر کردہ کسی کمیٹی یا بورڈ کو دے کر حق تولیت سے متولی کو محروم کر دے۔ تو زبردستی ایسا کرنا مداخلت فی الدین ہے یا نہیں؟

(۲) وقف کی جائیداد کی سابق مقرر کردہ لگان میں کمی کر دینا جس سے آمدنی کم ہو کر امورِ خیر میں حسبِ منشائے واقف صَرف نہ ہو سکے یا وقف کی آمدنی جو صَرفِ امورِ خیر کے لیے تھی اس میں سے ایک معقول رقم لے کر نیا دفتر یا کوئی کمیٹی یا کوئی بورڈ قائم کر کے اس میں صَرف کرنا یا کسی قسم کا کوئی ٹیکس لگانا یا اس میں سے بطور چندہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ جواب باصواب جلد عنایت ہو۔

الجواب: - جناب محترم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ گرامی مع استفتا موصول ہوا۔ فقیر مکان پر موجود نہ تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی۔ تکلیفِ انتظار ہوئی، معافی کا خواستگار ہوں۔

مظالم کے خوگر، جفا پیشہ، ستم گر، ظلم پرور، جور کے عادی جو مظالم کریں کم ہیں۔ بندگانِ خدا کو اوروں کے مظالم سے محافظت کے بلند بانگ دعویٰ کرنے والے خود جو کچھ قوانین گڑھتے پاس کرتے ہیں اور جیسی کچھ دادِ عدل وانصاف دیتے دلاتے ہیں کسے معلوم نہیں؟ ان کے املاک پر جیسی جیسی چیرہ دستیاں قانون کی آڑ میں ہوتی ہیں ظاہر ہے۔ وہی اب اور ترقی کر کے خاص املاکِ الٰہی پر دستِ تعدی دراز کرنا چاہتے ہیں مگر از نامِ حفاظت۔ وہی جو املاک بندگان پر شب وروز طرح طرح تعدیاں کرتے، بے اذنِ مالکان زبردستی تصرف حکومت کے بل بوتے پر نشۂ حکومت سے مخمور ہو کر کرتے ہیں اب اوقاف پر ہاتھ پھیر نا مشقِ ستم کرنا چاہتے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ مِلکِ غیر میں تصرف ظلم ہے اور ظلم کس کے نزدیک حرام اور اشد جرم نہیں؟ پھر کیا کچھ ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں؟ مگر اس کا کیا علاج کہ خود جو کچھ کیا جائے وہ ظلم نہیں۔ یوں ہی کون نہیں جانتا کہ وقف میں منشا وغرض وشرطِ واقف کے خلاف عمل خاص مِلکِ الٰہی میں تصرف محض بے جا ظلم ناروا جور وجفا ہے۔ مقصدِ وقف ہی کا صریح اِبطال ہے۔ شرعاً نہ صرف شرعاً ہی بلکہ عقلاً بھی۔

وہ امور جو سوال میں مذکور ہوئے سخت ناجائز وقبیح جور وظلم صریح ہیں اور دین میں کھلی مداخلت فضیح۔ غیر حُکام، اور یہ حُکام کیسے؟ خود شرعی حُکام بھی وقف میں ایسے امور نہیں کر سکتے یا دخل نہیں دے سکتے جو ایسا کرے گا وہ جائر جابر ستم گر ظالم ٹھہرے گا۔

علما ارشاد فرماتے ہیں: شرطُ الواقف کنصِ الشارع فی وجوبِ العمل به اھ مختصراً (اشباہ) صَرَّحوا بأن مراعاۃ غرضِ الواقفین واجبة (ردالمحتار) امِرنا بابقاءِ الوقفِ علیٰ ما کان (فتح القدیر) القاضی لا یملک التصرُّف فی الوقف مع وجودِ المتولی (ردالمحتار) لیس لِلقاضی ان یقرر وظیفة فی الوقف بغیر شرطِ الواقف (در مختار) اذا وجد شرطُ الواقف فلا سبیل الی مخالفة الخ (فتاویٰ خیریه)

مسلمانوں پر لازم کہ تا حدِ استطاعت پوری قوت سے اس وقف بل کے خلاف آواز اٹھائیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۴۰۱ تا ۴۰۳ فتاویٰ مصطفویہ، رضا اکیڈمی ممبئی)

مسئلہ: - از جے پور۔ گھاٹ دروازہ مسئولہ نمائندگان برادری لوہاران۔ جے پور۔ مرسلہ: امام اعظم علی صاحب ۲۲ر محرم ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء۔

جنابِ عالی علمائے دین بعد ادائے آداب کے عرض ہے کہ:

جو حادثہ یہاں جامع مسجد کا دروازہ وسیع کرنے پر فائرنگ ہوئی اس کی بابت اسٹیٹ کے حُکامِ بالا یعنی خان بہادر عبدالعزیز خاں یہ فرماتے ہیں کہ:

راجہ بہادر کی یہ مرضی ہے کہ جامع مسجد مسلمانانِ جے پور کے لیے ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے دوسری بنوا دی جائے۔

لہٰذا اس پر غور طلب ہے کہ شریعت سے اس کی بابت کیا حدیث ہے کہ کفار راجہ کے روپے سے مسجد بنانے پر اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: - جو مسجد ہو چکی تا قیامِ قیامت وہ مسجد رہے گی۔ مسجد بیچ ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں نہ چند یا ساری دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے، بدل لینے سے وہ مسجد مسجد ہونے سے نکل سکے۔

ایک لاکھ نہیں اگر راجہ اپنی ساری ریاست دے اور مسجد نہیں مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے، ہرگز مسلمانوں کو اس کا اختیار نہیں۔

جو اس پر راضی ہوں گے اشد گنہگار ہوں گے۔ بیچنے خریدنے والے سب ظالم جفا کار ٹھہریں گے۔ نہ مسجد کی تعمیر مسلمانوں کے سوا کسی کے لیے صحیح ودرست۔

قال تعالیٰ: مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ. اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ. (التوبة: ۱۷)

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو روپیہ دے دے۔ مسلمان

اس روپیہ کا مالک ہو کر مسجد بنائے۔ یا غیر مسلم کسی زمین پر عمارت بنا کر مسلمانوں کو دے دے۔ مسلمان اس پر قابض ہو کر اس کے مالک ہو کر اسے وقف کر دیں۔ ان دونوں صورتوں مین وہ مسجد ہو جائے گی۔

اس صورت میں کہ غیر مسلم مسجد بنائے اور اسے اپنی ملک پر باقی رکھے یا خود وقف کرے وہ مسجد نہ ہوگی۔ نماز اس میں ہو جائے گی مگر مسجد کا ثواب نہ ہوگا نہ اس کے لیے احکامِ مسجد ثابت ہوں گے۔

اگر مسجد جامع کی بجائے دوسری مسجد بنا کر مسلمانوں کو دے دینے کا خیال ہے کہ مسلمان اس پر قابض ہو کر اسے وقف کریں اور اسے مسجدِ جامع کر لیں۔ اور جو مسجد اب تک جامع تھی اسے جامع نہ رکھیں مگر وہ مسجد رہے۔ صرف جامع نہ رہے۔ بجائے اس کے جامع یہ نئی مسجد کی جائے تو یہ کر سکتے ہیں۔ مگر سوال کے لفظ یہ ہیں کہ مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا مطلب ظاہر یہی ہے کہ دوسری لے کر پہلی کو مسجد ہی نہ رکھا جائے گا۔ یہ ہر گز نہیں ہو سکتا۔ اس پر جو راضی ہوگا وہ عذابِ الیم اور شدید وبال و نکال اپنے سر لے گا۔ وہ مسجد ابدُ الآباد تک مسجد ہی رہے گی۔

مسجد خاص ملکِ الٰہی ہے جسے نہ کوئی بیچ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ آباد و معمور مسجد تو آباد و معمور ہے جو مسجد غیر آباد ہو گئی ہو، خرابہ میں پڑ گئی ہو، بہت خستہ بالکل شکستہ ہو چکی ہو، وہاں اس کے اِرد گرد آبادی بھی نہ رہی، ویرانہ میں آ گئی ہو، لوگ اس سے مستغنی ہو چکے ہوں، غرض کوئی بھی حالت ہو، ایسی مسجد کو بھی نہیں بیچا جا سکتا بلکہ اس کے ملبہ کڑی، تختہ، اینٹ پتھر کو دوسری مسجد میں نہیں لگایا جا سکتا۔

رَدُّ المحتار میں ہے:

اِنَّ المَسْجِدَ اِذاخَربَ یَبْقیٰ مسجداًابداً.

اسی میں حاوی قدسی سے ہے:

لایَجوزُ نَقلُه ونقلُ ماله الیٰ مسجدٍ آخر.

عالمگیری میں ہے:

لو صاراحدُالمسجدین قد یماً وتداعی الی الخراب فَاَرَادَ اہلُ السکة بیعَ القدیم وصرفه فی المسجدِ الجدید فانَّه لا یجوز واللہ تعا لیٰ اعلم.

(ص ۲۶۷ تا ۲۶۹ فتاویٰ مصطفویہ۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

مسئلہ: - از سرائے خام مدرسہ اشاعت العلوم مرسلہ: علی حسین۔ بریلی، مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء۔

علمائے اسلام اور دیانت و تقویٰ شعار اہلِ علم کی توجہ ذیل کے معاملہ کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ امید ہے کہ احکامِ شرعی صادر فرمائے جاویں گے۔

لاہور میں مسجد شہید گنج کی تحریک نے اب ایک پیچیدہ صورت اختیار کی ہے کیوں کہ بعض مسلمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کیا ہے۔ جن کو عام مسلمانانِ لاہور غدار وغیرہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اس تحریک کو بے کار قرار دیتے ہیں جس کی بنا پر عام مسلمانوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔

آیا مسجد شہید گنج کو شرعاً مسجد قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور جب اس کو سکھوں نے گورنمنٹ پنجاب کی اِعانت و حفاظت میں گرایا ہے تو کیا اس زمین کو اَب مسجد کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟

اس کی حفاظت کے جذبہ میں سرشار ہو کر جن مسلمانوں نے اس کے گرانے کو اپنے مذہب پر اور اس کے ضمن میں اپنی مذہبی عزت پر ایک شدید حملہ سمجھا اور بہ حیثیت مسلمان اپنی عزت کو بچانے کی غرض سے مسجد شہید گنج میں جانا چاہا اور بصورتِ ممانعت بطور احتجاج راستہ پر بیٹھ گئے اور محض اس جرم کی پاداش میں کہ مسجد اور اپنی عزت کی حفاظت کی غرض سے وہ راستہ پر سے نہ ہٹتے تھے ان پر آتش بازی کی گئی جس سے ان پُر امن نہتوں کی جانیں تلف ہو گئیں۔ آیا وہ شرعاً شہید ہیں یا نہیں؟

مسجد مذکور کو موجودہ قانون مسلمانوں کے حوالہ کرانے میں اپنے آپ کو عاجز بتاتا ہے اس لیے عدالت اس امر میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرتی لیکن مسلمانوں میں یہ قدرت ضرور ہے کہ وہ اس کارروائی کے خلاف زبانی احتجاج کریں، پُر امن مظاہرے کر کے مخالفین کو مجبور کریں کہ وہ توہینِ مسجد سے باز آ جائیں۔ ان کی یہ کارروائی ان کے لیے باعثِ ہلاکت نہیں ہو سکتی بلکہ اگر کوئی تکلیف جرمانہ یا قید کی اس کے مقابلہ میں ان کو پہنچے گی بھی تو وہ قابل برداشت ہوگی۔ اس لیے اس بارے میں پُر امن احتجاج اور مظاہرے کرنا مسلمانوں کے لیے من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: - لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد جو مسجد ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے۔ اس کی مسجدیت باطل نہیں ہو سکتی۔ سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی نے وہ مسجد جیسے شہید ہونے سے پہلے مسجد تھی یوں ہی اب بھی مسجد ہے اور قیامت تک مسجد رہے گی۔

عیاذاً باللہ! کافروں کے قبضہ میں مسجد آ جانے سے کسی کے

نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی۔ کعبہ برسہا برس قبضہ کفار میں رہا جس کے اِرد گرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے۔ ہر دن ایک نئے بت پوجا کرتے۔ اس قبضہ سے کعبہ غیر کعبہ نہیں ہو گیا۔ وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ بت خانہ نہیں بن گیا۔ وہ جیسا خالصاً لِلّٰہِ تعالیٰ برائے قربت و طاعتِ الٰہی پہلے تھا یوں ہی جب رہا۔ یوں ہی اب ہے یوں ہی ابدُ الآباد تک رہے گا۔ اسی طرح مسجد کا وہ بقعہ طاہرہ جو خالصاً لِلّٰہِ تعالیٰ برائے طاعت و قربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا جیسا جب تھا ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اَب ہے۔ اصل مسجد تو وہ موضع صلاۃ ہے، عمارت ہو یا نہ ہو۔ جو جگہ مسجد ہو گئی مسجد ہی رہے گی:

اِلّاعند محمدٍ فی بعض الصُّور وھذہ لیست منھا

عنایہ میں فرمایا:

فی زمان الفتر قد کان حولَ الکعبة عبد الاصنام ثم لم یخرج موضع الکعبة به ان یکون موضعاً للطاعة والقربة خالصاً لِلّٰہِ تعالیٰ فکذلک فی سائر المساجد.

مسجد کی ابدیت ان بعض کتب معتمدہ کی ان عبارات سے روشن۔ حاوی قدسی و تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقیٰ مسجداً عند الامام والثانی ابداًالیٰ قیام الساعة و به یُفتیٰ.

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو خرب ما حوله الخ ای ولو مع بقائه عامرا وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناءِ مسجدٍ آخر.

اسی میں بحر و فتح و مجتبیٰ و حاوی سے تائیدیں لیتے ہوئے فرمایا:

قوله عند الامام والثانی فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقلُه ونقلُ ما له الیٰ مسجدٍ اُخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وھوالفتویٰ، حاوی القدسی واکثر المشائخ علیه، مجتبیٰ وَھوَ الْاَوْجَه فتح اھ بحر اذا خرب المسجد وفی الفتاویٰ اذا خربت القریة التی فیھا المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا یصلی فیه احد فلا بأس بان یأخذہ صاحبه یبیعه وھو قولُ محمدٍ وعن ابی یوسف لا یعود اِلی مِلکِ البانی ولا اِلیٰ مِلکِ ورثته ھو مسجدٌاَبداً.

بحر الرائق پھر شامی میں ہے:

علم ان الفتویٰ علیٰ قول محمد فی آلاتِ المسجد وعلیٰ قولِ ابی یوسف فی تابیدِ المسجد.

ردالمحتار میں ہے:

ان الفتویٰ علیٰ ان المسجد لا یعودُ میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجدٍ اخر.

حاشیہ علامہ سیدی ابن عابدین علی الدر میں ہے:

ای قوله ینصرف مفرع علیَ قول الامام وابی یوسف ان المسجد اِذا خرب یبقیٰ مسجدا آبدا.

اسی میں ہے:

علمت ان المفتیٰ به قول ابی یوسف انه لا یجوز نقلُه ونقلُ ماله الیٰ مسجد اُخر کما مر عن الحاوی.

فتاویٰ حجۃ پھر مضمرات پھر ہندیہ میں فرمایا:

لو صار احدُ المسجدین قدیماً وتداعیٰ اِلی الخراب فاَراد اَھلُ السکة بیعَ القدیم وصرفه فی المسجدِ الجدید فانه لا یجوز اما علیٰ قول ابی یوسف فلانَّ المسجد وان خرب واستغنی عنه اھلُه لا یعود الیٰ مِلکِ البانی واما علیٰ قول محمدٍ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الیٰ مِلکِ البانی وورثته فلا یکون لاھلِ المسجد علیٰ کلا القولین ولایة البیع والفتویٰ علیٰ قول ابی یوسف انه لا یعود الیٰ مِلکِ مالکِ ابداً۔

ان عبارات سے آفتابِ نصف النہار کی طرح روشن و آشکارا ہوا کہ مسجد شہید گنج مسجد ہی ہے۔ بستی کے مسلمان اسے، وہ تو وہ ہے کسی ایسی مسجد کو جو بوجہِ قدامت بوسیدہ و خراب ہو چکی ہوتی جس سے استغنا ہو گیا ہوتا غیر آباد ہو گئی ہوتی ویرانہ میں پڑ گئی ہوتی ایسی مسجد کو بھی فروخت نہیں کر سکتے۔ مسجد شہید گنج کو مسلمان سکھوں یا کسی کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تو بھی وہ بیع نہ ہو سکتی۔ وہ ہزار بار اگر فروخت کی جائے تو بھی وقف ہی ہے۔ ع

ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں

مسلمانوں کی شامت اعمال کہ ہر معاملہ میں کچھ نہ کچھ لوگ

کسی نہ کسی وجہ سے اپنی ذاتی غرض ومنفعت یا محض خوشامد میں اختلاف کا علم اٹھا لیتے ہیں۔ یہ بات بھی کوئی اختلاف کی تھی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہِ العلی العظیم.

اپنی جہالت سے اسلام و مسلمین کو نقصان پہنچاتے، غلبۂ کفر و کافرین کا موجب ہوتے ہیں، کفار کی امداد واعانت کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

گورنمنٹ کا قانون ہے کہ وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہ کرے گی، کبھی دست انداز نہ ہوگی۔ مگر ایسے ہی لوگ ہیں جو حکومت کو اپنے بد عمل سے فریب دیتے ہیں اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے گورنمنٹ کو بدنام کراتے ہیں۔ رعایا میں بداعتمادی پھیلاتے ہیں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ اس قانونِ معاہدہ کے ہوتے ہوئے مسجد کو مسجد جانتے ہوئے کیوں کر مسلمانوں کو اس سے روکتی اور مسلمانوں کی عبادت گاہ سکھوں کو شہید کرنے دیتی اور سکھوں کی حفاظت کر کے جو مسجد کو شہید کرتے ہیں ان کی امداد واعانت کرتی؟ جب تک اسے ایسے ہی لوگوں نے کوئی سخت خطرناک فریب نہیں دیا۔

ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں نے گورنمنٹ کو یہی باور کرایا ہو کہ اب وہ مسجد نہ رہی۔ ایک فریب اور بھی مسموع ہوا ہے کہ جسے مسجد شہید گنج کہا جاتا ہے یہ درحقیقت مسجد نہیں مسجد نما ایک عمارت ہے جو کسی قاضی کی کچہری تھی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہِ العلی العظیم.

ان دشمنانِ عقل وخرد کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان کوئی عمارت مسجد نما نہیں بناتے۔ کیا کوئی اور عمارت ایسی دکھائی جا سکتی ہے جو مسجد نما ہو مسجد نہ ہو؟ قاضی کی کچہری کی بھی ایک ہی ہوئی۔ ان جہلا کو کیا معلوم کہ پہلے مقدمات ومجالس نکاح وغیرہ امور مساجد ہی میں ہوا کرتے۔ خود زمانِ برکت نشان حضور سید الانس والجان میں یہی تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کیا اس سے وہ مسجدیں مسجدیں نہ رہیں، قاضیوں کی کچہریاں ہو گئیں؟ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۲-مساجد بیوت اللہ (اللہ کا گھر) ہیں۔ اللہ کے دین کا شعارِ عظیم ہیں اور کسی شعارِ دین کی ادنیٰ سے ادنیٰ ہتک ہرگز مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ بیشک بیشک شعارِ دین پر حملہ ہے۔ مسلمانوں کی ذاتی ہی عزت پر حملہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی عزت پر بھی۔ جس پر مسلمان اپنی عزت وآبرو اپنی جان ومال، تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں اور جو بن پڑے اور جس کی ان کا دین ومذہب اجازت دے وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے ہیں۔

مسجد شہید گنج یقیناً شعارِ دین ہے۔ مسجد کی حفاظت وصیانت فرضِ مبین ہے۔ جہاں تک جس جائز طریقہ سے ہو کرنا ناگزیر ہے۔ کلیجہ اس مسلمان کہلانے والے کا دیکھو جو ان مسلمانوں کو جنہوں نے مسجد کی حفاظت وصیانت چاہی، گورنمنٹ کے خلاف ہاتھ اٹھایا کیسا لب تک نہ ہلایا اور مسجد کی حفاظت وصیانت چاہتے ہوئے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں، شعارِ دین پر اپنی قربانیاں چڑھا دیں، اللہ کے راستہ میں اپنی جانیں نثار کیں، انہیں حرام موت مرنے والا کہے؟ حدیث تو ارشاد فرمائے:

مَن قُتِلَ دون مالِہٖ فھو شھید ومن قتل دون دمہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ فھو شھید.

اور یہ برخلاف حکمِ حدیث کہے: نہیں نہیں جو مسجد کی حفاظت وصیانت میں مارے گئے وہ شہید نہ ہوئے۔

حدیث فرماتی ہے: اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے گھر والی یا کسی قرابت والے کی حرام سے حفاظت میں بلکہ اپنے مال کی حفاظت میں جو مارا جائے وہ شہید ہے۔

دین کی حفاظت تو دین کی حفاظت ہے، تیسیر شرح جامع صغیر میں حدیث مذکور کی شرح میں علامہ مناوی قدس سرہٗ یوں فرماتے ہیں:

مَن قُتِلَ دُونَ مَا لہ ای عند رفعہ من یرید اخذہ ظلماً فھو شھید ای فی حکمِ الآخر لا الدنیا ومن قتل دون دمہ ای فی الدفع عن نفسہ فھو شھید ومن قتل دون دینہ ای فی نصرَ دینِ اللہ والذَّبَّ عنہ فھو شھید ومن قتل دون اھلہ ای فی الدفع عن بضع حلیلتہ او قریبتہ فھو شھید فی حکمِ الآخر لا الدنیا لِاَنَ المؤمن محترم ذاتاً ودماً واھلاً ومالاً فاذا ارید منہ شئ من ذلک جازلہ الدفع عنہ فاذا قُتل بسببہ فھو شھید.

جو ان لوگوں کو حرام موت مرنے والا بتاتا ہے اس کے طور پر یہی نہیں بلکہ جو مسلمان اذان پر یا قربانی گاؤ پر شہید ہوتے رہے وہ سب بھی حرام موت مرے۔ اور یہی نہیں بلکہ تیرہ سو برس کے اندر جتنے لوگ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے مارے گئے وہ سب معاذ اللہ ایسی ہی حرام موت مرے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہِ.

قرامطہ ملعون نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا، ہزارہا حجاج کو قتل کیا۔

جن میں بڑے بڑے حضرات علما بھی تھے، اولیا تھے، وہ قتل ہوتے رہے اور گاجر مولی کی طرح کٹتے رہے، مثلاً حضرت شیخ علی بابویہ صوفی۔

اعلام الاعلام میں ہے:

لم یقطع طوافہ عَلٰی بابیہ وجعل یقول:

تری المحبین صرعیٰ فی دیارھم
کَفتیۃِ الکھفِ لا یدرون کم لبِثوا

والسیوف تقفوہ الی ان سقط میتا رحمہ اللہ تعالیٰ

آں جناب نے طواف جاری رکھا، تلواریں پڑ رہی ہیں اور وہ طواف قطع نہیں فرماتے۔ وہاں سے بھاگنا کیسا؟ طواف جاری رکھتے ہوئے یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔ تری المحبین الخ تو محبوں کو ان دیار میں مدہوش پائے گا جیسے اصحابِ کہف کہ انہیں خبر نہیں کہ وہ کہف میں کتنا رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

وہ صحابۂ کرام جو انواع انواع آلام دیے گئے اور سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کیے گئے کہ اپنا فرض چھوڑ دیں۔ انہوں نے ساری ایذائیں، تکلیفیں، آلام، خوشی سے برداشت کیے۔ قتل ہونا منظور کیا مگر جسے اپنا فرض جانتے تھے نہ چھوڑا۔ یہ سب معاذ اللہ شہید نہ ہوئے؟

ازالۂ منکر فرض ہے۔ اس کے تین مرتبے حدیث میں ارشاد ہوئے کہ فرمایا:

من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعفُ الایمان.

جو تم میں کوئی منکر دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا جانے۔ اور یہ اضعفِ ایمان ہے۔

مسجد جو شعارِ دین ہے اس کا گرانا یا کسی طرح اہانت کرنا بھی ضرور منکرِ اعظم ہے اور ضرور اس کا ازالہ جس طرح ہو سکے مگر جائز طور پر وہ لازم ہے۔

مسلمانوں میں یہاں اس کی استطاعت نہ تھی کہ وہ مسجد ڈھانے والوں کو بہ قوت روکتے، ان پر جہاد کرتے، حملہ آور ہوتے، تو انہوں نے ایسا نہ کیا کہ یہ اس حالت میں اس کی انہیں اجازت نہ تھی۔

اب دوسری صورت یہ تھی کہ زبان سے احتجاج کریں، اپنی حق بات کا خوب روشن طریقہ پر اثبات کریں، غیروں کے باطل دعویٰ کا واضح طور پر ابطال کریں، مسجد میں اور مسجد کے راستوں میں بیٹھ جائیں کہ پہلے مسجد والوں کو ختم کر دو پھر مسجد کو ہاتھ لگاؤ۔ اتنا ہجوم ایک ساتھ ایک بات بالحاح کہے شاید ان پر اثر انداز ہو۔ انہوں نے اپنا فرض ادا کرنا چاہا، مضطر ہو کر شہید گنج کی طرف چلے، بدنام کنندگانِ حکومت نے انہیں روکا وہ رک گئے پھر جذبۂ حفاظت وصیانت سے متاثر ہو کر بڑھے پھر روکے گئے۔ بار بار یہی ہوا۔ آخر کار ان نہتوں پر جن سے کسی طرح کسی خطرناک کارروائی کا اندیشہ صحیح نہیں تھا حکومت نے آتش بازی کی اور اللہ جانے کتنے مجروح ہوئے، کتنے شہید، کتنی بیبیاں بیوہ ہوئیں، اور کتنے بچے یتیم، کتنے گھر بے چراغ ہوئے اور کتنے مکانات ماتم کدہ بن گئے۔

امر بالمعروف اور ازالۂ منکر میں اگر کوئی ضرر لاحق ہو تو ترک حلال ہے لازم نہیں بلکہ کرنا افضل ہے۔ جو مسلمان اسے سن کر کے ازالہ میں مارے گئے وہ خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔

تیسیر شرحِ جامع صغیر میں حدیث مذکور کی تشریح یوں ہے:

من رأی ای علم منکم معشر المسلمین المکلفین القادرین منکراً ای شیئاً قبحہ الشرع فعلاً اوقولاً فلیغیرہ بیدہ وجوباً شرعاً اوعقلاً فان لم یستطع الانکار بیدہ بان ظنَّ لحوقَ ضربہ فبلسانہ بالقول کاستغاثۃٍ اوتوبیخٍ او اغلاظٍ بشرطہ فان لم یستطع ذٰلک بلسانہ لوجودۃِ مانعٍ کخوفِ فتنۃٍ او خوفٍ علیٰ نفسٍ اوعضواومالٍ فبقلبہ ینکرہ وجوباً بان یکرھہ ویعزم انہ لو قدر فعل وَذٰلِکَ ای الانکار بالقلب اضعفُ الایمان.

فتاویٰ خلاصہ میں فتاویٰ صغریٰ سے ہے:

الامربالمعروف یحل وان کان یلحقہ الضرر غالباً او یعلم یقیناًوفی فتاویٰ القاضی الامام اذا رأی الرجل منکراً من قوم وھو یعلم انہ لونَھا ھم عنہ قبِلوا منہ فانہ لا یسعہ ان یسکت ویترك وان کان یعلم لونہا ھم لایستمعون وسعہ ان یترك والنھی افضل وان علم انھم یضربونہ او یشتمونہ لونَھا ھم وسعہ ان یترکہ.

مسلمان اگر مجبور تھے تو اس سے کہ شہید کرنے والوں کو اپنے زورِ بازو سے روکیں، ان پر حملہ آور ہوں، جہاد کریں۔ زبانی منع کرنے، اس پر فرداً فرداً احتجاج کرنے، تھک کر الحاح کرنے اور

دوسرے جائز طریقوں سے روکنے سے تو مجبور نہ تھے؟ جو کر سکتے تھے اس کا کرنا تو ان کے ذمہ لازم وفرض تھا؟ یا قانوناً یہ بھی منع تھا؟ پھر جب مسلمانوں نے اپنا فرض ادا کیا اور وہ فرض ادا کرتے ہوئے حکومت کو بدنام کرنے والوں کے گڑھے ہوئے اندیشہ کی بنا پر ظلماً شہید ہوئے وہ کیوں نہ شہید ہوئے اور کیوں حرام موت مرے؟

کسی کے گھر پر کوئی ظالم قوم چڑھ آئے اور وہ اپنی چلتی جائز طریقوں سے اپنے گھر کی حفاظت چاہے اور گھر کو ڈھانے سے باز رکھنے کی کوشش کرے اس پر انہیں ظالمین میں کہ وہ جن کا تعلق حکومت سے ہو زبردستی اس مظلوم کو حکومت کا مجرم، فسادی، امن عامہ کو برباد کرنے والا ٹھہرا کر حکومت کو اس سے اندیشہ اور خطرہ بتا کر قتل کرلیں۔ وہ مظلوم مرے تو حرام موت مرے۔ کیا انصاف ہے؟

جب اپنے گھر کی، اپنے مال کی حفاظت میں جو قتل کیا جائے بحکم حدیث وہ شہید ہے۔ تو یہ تو خدا کے گھر کی حفاظت وصیانت چاہتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ ہم حکومت کو ملزم نہیں کہہ سکتے اس نے جو کچھ کیا غلط یا صحیح اندیشۂ فساد کی بنا پر کیا اگر حکومت پر اس الزام کا جواب ہمارے خیال میں نہیں تو اس نے جیسے اندیشۂ فساد کی بنا پر مسلمانوں کو روکا تھا یوں ہی سکھوں کو مسجد کے شہید کرنے سے کم از کم اس وقت ہی روک دیتی۔ اور نہ اس الزام کا ہماری سمجھ میں کوئی معقول جواب ہے کہ حکومت کے ایسے لوگ جو خطرناک کارروائیاں کر گذرتے ہیں۔ حکومت ان کی تحقیقات کرکے انہیں سزا کیوں نہیں دیتی؟ ان کا ایسا اعتبار کیوں کرتی ہے کہ انہیں آئے دن ایسی غلط اور پُرخطر کارروائیاں کرنے کی جرأت ہوتی ہے؟

ہاں! ایک ہی صورت ہے جس سے گورنمنٹ مسلمانوں کی اشک شوئی کرسکتی ہے وہ یہ کہ جو کچھ عُمالِ حکومت نے دانستہ یا نادانستہ غلطی کی اور ناقابل تلافی نقصان پہنچایا کافی تحقیقات کے بعد اس کا ان سے انتقام مسلمانوں کی جانب سے لے۔ اور مسجد شہید گنج مسلمانوں کے حوالہ کرے۔ سید حبیب اور جن ناکردہ خطا لوگوں کو عُمال حکومت نے بے وجہ گرفتار کیا ہے، انہیں آزاد کرے۔

دو آنکھیں خدا نے اسی مصلحت سے دی ہیں کہ دونوں جانب نظر کی جائے۔ حُکام کی حمایت ضرور حکومت پر لازم ہے کہ اگر حُکام کی حمایت نہ کی جائے تو حُکام کام نہ کرسکیں، رعایا سے ان پر اندیشۂ زیادتی ہو۔ مگر رعایا کی رعایت بھی حکومت کا فرض ہے۔ اگر ادھر نظرِ التفات نہ کرے گی تو وہی نتیجہ ادھر ہوگا کہ حکام رعایا پر ظلم توڑیں گے اور اس پر زیادتی کریں گے۔ جو حاکم غلطی کا ارتکاب کرے اسے سرزنش کرنا لازم اور جیسی غلطی ہو ویسی سزا ضرور۔ گورنمنٹ جیسے اپنے معاملات میں خطا پر فوری سزا دیتی ہے اور جیسی تحقیقات کرتی ہے ویسی ہی تحقیقات ویسی ہی سزا اس خطا پر کی جائے۔ ماننا نہ ماننا اس کا اختیار ہے۔

مانو نہ مانو اس کا تمہیں اختیار ہے
ہم نیک و بد سے آپ کو آگاہ کر چکے

تقریر بالا سے روشن ہوگیا کہ مسلمانوں پر مسجد کی حفاظت و صیانت لازم ہے۔ وہ ان کا فرض ہے۔ جائز طریقوں سے تا حدِ امکان اس میں سعی کریں۔ جو امر جائز اور مفید ہو اسے کریں اور ناجائز نامفید سے بچیں۔ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے فائدہ کی بجائے نقصان ہو۔ پُر امن احتجاج اور مظاہرہ اگر مفید ہوں اور کر سکتے ہوں تو بیشک کریں۔ اپنا فرض کسی کی کراہت کی وجہ سے اور کسی کی خوشنودی سے ہرگز ترک نہیں کیا جاسکتا مگر جب کہ اس سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو۔

جب قانون اس سے مانع نہیں تو کوئی اندیشہ نہیں، ایسا قانون ہو بھی نہیں سکتا۔ آخر عام اضطراب اور بے چینی کا اظہار اور کس طرح ہوسکتا ہے اور حکومت کو اس کا علم اور کیسے کرایا جاسکتا ہے؟ ہرگز کوئی قانون ایسا نہ ہوگا اور اگر ہو جائے تو جب بھی اتنا ہوگا کہ لزوم نہ ہوگا وبس۔ (ص ۲۴۴ تا ۲۵۰، فتاویٰ مصطفویہ، از مفتی اعظم حضرت مولانا الشاہ مصطفی رضا قادری برکاتی بریلوی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء)

مسلمان کسی مسجد کے ناظم و متولی و نگراں ہوتے ہیں اس کے مالک نہیں ہوتے اس لیے کسی مسجد کی زمین وہ غیر مسجد کے لیے کسی شکل میں دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر کسی مسجد کی عمارت ظلماً کوئی شہید کردے تب بھی اس کی زمین مسجد ہی رہتی ہے۔ اور اس زمین پر کوئی جبراً قابض ہو جائے تب بھی کسی مسلمان بلکہ ساری مسلم آبادی کو بھی اس کا اختیار نہیں کہ وہ اس قبضہ و تصرف پر کسی رضامندی کا اظہار کرسکے۔ یا کوئی معاہدہ کرکے کسی مسجد کی زمین کا کوئی حصہ دوسری جگہ منتقل کرسکے۔

استطاعت و امکان کی حد تک ہر مسلمان کا شرعی فریضہ ہے کہ ہر مسجد کا تحفظ و دفاع کرے اور اس تحفظ و دفاع میں کسی قسم کی کوتاہی و غفلت نہ برتے۔ ملکی دستور و آئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے جمہوری و قانونی جد و جہد کرے اور اس وقت تک کرتا رہے جب تک اسے اس کا حق نہ مل جائے۔ اَلسَّعْیُ مِنَّا وَالْاِ تْمَامُ مِنَ اللّٰہِ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الوکیلُ، نِعْمَ المولیٰ وَنِعْمَ النَّصِیْر.

ساتویں قسط

جدید علم کلام

ایمان بالآخرة

مولانا محمد اسحاق مصباحی

آج اس سلسلے کی ساتویں قسط پیش خدمت ہے۔ اس میں ارکانِ ایمان کا بیان مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد چند قسطوں میں کچھ ذیلی مباحث کا ذکر کریں گے، جیسے تقلید، کفر، اعجازِ قرآن، اسلام ہی حق کیوں، جدید علوم اور قرآن کی اہمیت وغیرہ۔

جدید علم کلام اس کا نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں دورِ جدید کے سوالوں کا جواب اور موجودہ گم راہ فرقوں کا رد شامل ہے، اگرچہ جامعیت کے پیش نظر قدیم نظریات کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ آخرت یا Next World اور دوبارہ زندہ ہونے Recreation کے عقیدے میں دنیا میں بہت اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس کے سرے سے منکر ہیں جیسے دہریے، مادّہ پرست اور بعض مشرکین اور خود چند مذاہب بھی۔ اور بعض اس کے قائل ہیں، مگر اس کے تعلق سے تفصیل میں پریشان ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت چوں کہ اپنی اصل میں الہامی مذہب تھے، اگرچہ بعد میں ان دونوں مذاہب میں مشرکین کے عقائد در آئے، اس لیے ان کے یہاں آخرت کا تصور ہے۔ مگر بعد میں اس مذہب کے ماننے والوں نے اپنے ایمان کے ارکان سے اس کو خارج کر دیا۔ بعض مذہب جیسے ہندو مت وغیرہ دوبارہ زندہ ہونے کے قائل ہیں مگر وہ آواگون یا تناسخ کے قائل ہیں۔ فلسفی حضرات میں سے بعض آخرت کے قائل رہے ہیں مگر وہ صرف حشرِ روحانی کے قائل ہیں اور لذت والم کو جو آخرت میں طاری ہوں گے، صرف روح پر وارد مانتے ہیں۔ موجودہ دور میں بعض سائنس داں اس امکان کو خارج نہیں کرتے کہ یہ کائنات ختم ہو کر پھر سے نئی کائنات بن سکتی ہے۔

حق یہ ہے کہ آخرت کے عقیدہ کی تفصیل جو سرکارِ دوعالم ﷺ نے عطا فرمائی ہے، وہ اتنی کامل اور درست ہے کہ کسی مذہب اور فلسفہ میں نہیں ہے۔ اسی لیے ایمان بالآخرة اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک اسلامی عقیدہ کو اختیار نہ کیا جائے۔ گزشتہ سطروں میں بیان کردہ مذاہب ایمان بالآخرة نہیں بن سکیں گے۔

اسلام میں روح اور جسم دونوں کے حشر پر، عذابِ قبر پر، انعامِ قبر پر، عرصۂ محشر میں حضوری پر، حساب پر، میزانِ اعمال پر، حوضِ کوثر پر، لواء الحمد پر، مقامِ محمود پر، جنت اور دوزخ پر، ان کے خلود اور شفاعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان میں اکثر کتاب اللہ سے ثابت اور بعض احادیثِ متواترہ سے اور بعض احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہیں۔

ہمارے بعض بے علم مسلمان بھائی جو صرف دنیاوی علوم جانتے ہیں، وہ غیروں سے دوبارہ پیدا ہونے کے اعتراف سے خوش ہو کر اس کو اسلامی عقیدۂ آخرت سمجھ لیتے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ دوبارہ پیدا ہونے کا اقرار اس تفصیل کو لازم نہیں جو اسلامی آخرت کے عقیدہ میں ضروری ہے۔ لہٰذا مسلمان ہونے کے لیے اسلامی عقیدۂ آخرت کو سچ ماننا لازم ہے نہ کہ صرف next world کا اقرار کرلینا۔

موت: موت کے اسباب دو طرح کے ہیں، حقیقی اور ظاہری۔ ظاہری اسباب کو مؤثر حقیقی نہیں مانا جاتا ہے، بلکہ موت کے جو بھی اسباب ہوں، حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور کوئی بھی جان دار اس مدت کو پار نہیں کرسکتا جو اس کے خاتمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے۔ جو لوگ روح کے قائل نہیں ہیں وہ موت کو صرف ظاہری اسباب کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیوں کہ جو روح کے قائل نہیں وہ اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان نہیں رکھتے، یا نہیں رکھ سکتے۔ ہاں! قاتل کو جزا قتل کے اکتساب پر ہے نہ کہ موت کے خلق پر، کیوں کہ موت کا خلق کرنا، یہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ موت کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے باہر ماننا کفر ہے۔ اور یہ دہریوں کا مذہب ہے۔

کیا انسان کے لیے خلود ممکن ہے: آج علم اس بات پر متفق ہے کہ کائنات کی موجودہ صورت زوال پذیر ہے، تمام مخلوقات جن میں کوہ و دمن، چرخ و زمن سب شامل ہیں، خاتمہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہاں کچھ علم طبیعیات اور طب کے ماہرین نے ضرور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اگر انسان کے خلیات میں ایک خاص قسم کی پروٹین کو فٹ کرنے میں کامیابی مل گئی تو اس کو طویل عمر نصیب ہوسکتی ہے، پھر

شیخ الحدیث جامعہ رضویہ، کیمری، ضلع رام پور

اس کا بدن اگرچہ کام کرنا چھوڑ دے گا تب بھی اس کا دماغ چار سو برس تک کام کرتا رہے گا۔ اس کے علاوہ خلود کا دعویٰ سائنس میں نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے رد کرنے کی ضرورت نہیں۔

اعادہ : یعنی دوبارہ زندہ کیا جانا، اس عقیدہ پر دو طرح سے سوال کیے جاتے ہیں۔ ایک منطقی الجھاؤ پیدا کرنے کے لیے کہ معترضین کہتے ہیں، اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے تو جب اجزا فنا ہو چکے تو اعادہ ممکن نہیں اور نئے سرے سے تخلیق ہوئی۔ ان معترضین نے گویا تسلیم کر لیا کہ خلق تو ہوگا مگر اس کو اعادہ نہیں کہیں گے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلق ہونا ہی اصل مدعا تھا، البتہ اس کو اعادہ کہنا، اس کو ثابت کرنے پر بات ضروری ہو جائے گی۔

دوسرا گروہ معترضین کا کہتا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا طبعی قانون کے خلاف ہے اور تجربہ اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ ان کا جواب یہ ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں تھیں جنھیں انسان طبعی قانون کے خلاف سمجھتا تھا، جیسے ہزاروں لوگوں کو لے کر کسی چیز کا فضا میں برق رفتاری سے اڑنا، لاکھوں ٹن سامان کو لوہے کی گاڑی سے کھینچنا۔ ان باتوں کو کوئی ہزار سال پہلے کہتا تو لوگ اس کو پاگل کہتے، مگر آج اگر کوئی انکار کرے تو پاگل کہلائے گا، لہٰذا دوبارہ زندہ ہونا کسی بھی طرح طبعی قانون کے خلاف نہیں ہے۔ اگر غور کریں تو دوبارہ زندہ ہونا عقل میں آنے کے لیے سب سے آسان ہے، کیوں کہ انسان کو اولاً اس زمین پر جس نے پیدا کیا وہ ثانیاً بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ قرآنِ مقدس نے بھی صرف یہی جواب عطا فرمایا ہے:

"قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝" [یٰسین: ۷۸-۷۹]

کیا کوئی ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندگی دے گا، آپ کہہ دیجیے کہ وہی زندگی دے گا، جس نے اولاً ان کو بنایا اور وہ ہر انداز کے خلق کو جانتا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مقدس نے دوبارہ زندہ کیے جانے پر، پودوں کے سلسلۂ حیات کو دلیل بنایا ہے، بات ظاہر ہے کہ بیج سے دوبارہ پودا پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں موجودہ خلیے تقسیم در تقسیم ہو کر وہی پودا تیار کر دیتے ہیں۔

اس چیز کو قرآن پاک کے مطالعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جان دار اشیا اور پودوں میں بعض ہی افعال میں فرق ہے۔ علم ارتقائے انسان Histiology، علم خلیات Cellliology . سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تمام زندہ اجسام خلیات سے مرکب ہیں، البتہ ان خلیات کے مزاج، ترکیب، صورت اور باہم ترکیب میں اختلاف کی وجہ سے مختلف الصورۃ اجسام بنتے ہیں، جیسے جلد کے خلیات، جھلیوں کے خلیات ذرا طول لیے ہوئے اپنے نوک سے ملتے ہیں اور اسی طرح جو اجسام حیات نہیں رکھتے، ان کی ترکیب سوالم سے ہوتی ہے۔ لہٰذا سالمہ اور خلیہ کے درمیان فرق صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ کی وجہ سے ہے، اس کی کوئی اور توجیہ نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو سالمہ کو خلیہ میں بدل دے جیسا کہ پہلے ثابت ہو گیا۔

یہاں سے یہ ثابت ہو گیا کہ انسان اور عالم کا فنا ہونے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا قطعاً محال نہیں، اور مرنے کے بعد زندگی، قیامت، حشر، نشر، عذابِ قبر، عذابِ دوزخ، جنت کی نعمتیں، یہ سب عقل کے نزدیک محال نہیں اور نبی صادق ﷺ نے خبر دی تو ضروری ہوا کہ ان سب پر ایمان لایا جائے۔

اعراض و اعمال کا حساب : اب علم سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام دریافت شدہ عالم مادّہ سے بنا ہے اور مادّہ تحلیل کے بعد برقی لہروں تک تقسیم ہوتا ہے، اس کے بعد لطافت کا دور شروع ہوتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عالم موجودہ صورت کے علاوہ کسی اور عالم سے بھی تعلق رکھتا ہے اور اسی کو عالم امر کہتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فعالم الامر عبارۃ عن الموجودات الخارجۃ عن الحس والخیال والجھۃ والمکان والتحیز وھو ما لا یدخل تحت الساحۃ والتقدیر. (مجموعہ رسائل الغزالی، ص: ۳۶۳)

ترجمہ: تو عالم امر ان موجودات سے عبارت ہے جو حس و خیال، جہت و مکان اور تحیز سے باہر ہیں اور اس میں ساحت و تقدیر کا دخل نہیں۔

تو روح عالم امر ہے اور حقیقتِ وجود بھی عالم امر سے ہے موجودہ صورت صرف ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے عالم امر سے کتنے عالم پیدا فرما دے اور اس عالم میں یہاں کے اعراض مجسم ہو جائیں، یہ محال نہیں۔ اس لیے یہاں کے اعمال خوب صورت نوجوانوں کی صورت میں عالمِ آخرت میں ملیں گے اور نماز، روزہ، صبر و شکر وغیرہ

اعمالِ صالحہ قبر میں اچھی صورتوں میں آئیں گے۔ اور جنت کے احوال، دوزخ کے احوال جو بھی حدیث اور قرآن پاک میں ذکر ہوئے، سب عقل کے نزدیک ممکن ہی ہیں اور اعمال کا وزن کیا جانا بھی محال نہیں۔ اور جو لوگ ان چیزوں کو محال سمجھتے ہیں وہ غور نہیں کرتے، لہٰذا ثابت ہوا کہ آخرت کے تعلق سے جو بھی کتاب اللہ اور حدیث پاک میں وارد ہوا ہے، اس میں عقلی تاویل کی ضرورت نہیں۔ ان کو اسی مفہوم پر رکھنا واجب ہے جن کو امت نے آج بلا تاویل یقین کیا ہے۔

خود ساختہ عقلی مادی قواعد : آپ نے دیکھا کہ وجود کی حقیقت اس سے کہیں عظیم ہے، جتنی کہ مادّہ پرستوں نے متعین کی ہے۔ لہٰذا ان کے کچھ خود ساختہ اصولوں پر اسلامی عقائد اور روحانی تعلیمات کو نہیں جانچا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اصول ہمارے لیے کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔

حال کے زمانہ میں ڈاکٹر ابو زید اور ڈاکٹر حسن حنفی یہ دو شخص اس گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو دین میں خود ساختہ مادّی اصول کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان لوگوں نے نبوت کو ایک خیال، قرآن کو انسانی کتاب اور عقائد آخرت وغیرہ کو محض ایک افسانہ قرار دیا ہے، اور ان میں کسی بھی طرح کے تقدس سے انکار کیا ہے۔

امور آخرت کا مختصر ذکر : یہ ثابت ہو گیا کہ اعادہ کسی طرح محال نہیں اور یہ کہ اسلامی عقائد قابلِ تسلیم ہیں، لہٰذا عذابِ قبر اور نعمتِ قبر کے تعلق سے اب کوئی شبہہ نہیں رہنا چاہیے کیوں کہ اجزا متفرق ہو جائیں اور کوئی نقش یوں ہی سڑ گل جائے تو بھی ان کے لیے یہ دونوں، عذاب و ثواب ثابت ہونا محال نہیں، کیوں کہ اجزا کا تفرق عالمِ حقیقت میں اتصال کو مانع نہیں۔

انسان کے لیے موت کی تمنا جائز نہیں، ہاں دین میں فتنے کا یقین ہو تو جائز ہے۔ مومن کے لیے حیات و ممات دونوں فضل الٰہی ہیں۔ آخرت کی یاد کے لیے قبور کی زیارت کرنا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اچھا یقین رکھنا چاہیے۔ موت مشکل ہے۔ مومن کو موت کے وقت جو سختی ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ بعض کفار کو ان کے اچھے اعمال کی بنیاد پر موت میں آسانی کر دی جاتی ہے۔ انبیاے کرام پر وقت نزع جو شدت روایت ہے وہ غضب و ناراضی کی دلیل نہیں بلکہ وہ عشق کی بلاخیزی ہے جو اللہ تعالیٰ سے قرب و وصال کے لیے طاری ہوتی ہے۔ بعض علما نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت کو معین فرمایا اور ان کے اعوان فرشتے بھی معین کیے۔ جب تک غرغرہ پیدا نہ ہو اس وقت تک توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ بعض صوفیۂ کرام کا مذہب ہے کہ یاسِ حیات کے وقت بھی ایمان و توبہ قبول ہو سکتی ہے، مگر متکلمین اس سے متفق نہیں ہیں۔ میت کو بعد میں بہت سی باتوں کا علم ہوتا رہتا ہے اور بزرگوں کے ارواح کا فیض زندوں کو ملتا ہے۔ مومن کی موت کے وقت خوش خبری دینے والے فرشتے آتے ہیں۔ انسان کو جہاں سے خمیر کیا جاتا ہے وہیں پر اس کا دفن ہوتا ہے۔ قبر ہر انسان پر تنگ ہوتی ہے البتہ مومن پر پیار سے اور کافر پر نہایت سختی سے۔

علما نے فرمایا ہے کہ سوال قبر صرف مومن اور منافق سے ہوتا ہے اور کافر محض پر عذاب ابتدا ہی سے شروع کر دیا جاتا ہے، اور سوالِ قبر اسی امت کے ساتھ خاص ہے۔ مگر بعض علما نے فرمایا کہ سوال سب سے ہوا ہے اور ہوگا، ہاں! کچھ اہل نعمت ہیں کہ ان سے سوال نہیں ہوگا۔ قبروں میں جنت اور دوزخ کی طرف سے انعام یا عذاب دیا جاتا ہے۔ استغفار سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف سے استغفار ہو تو قبریں منور ہو جاتی ہیں۔ عذاب قبر پر اجماعِ امت ہے، انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور شہدا کو مخصوص حیات دی جاتی ہے۔

ایک خاص وقت میں اس دنیا کو فنا کر کے دوبارہ مکمل پیدا کیا جائے گا اور سب کو عرصۂ محشر میں لا کر حساب ہوگا، پھر شفاعت ہوگی پھر صاحبِ ایمان گنہ گاروں کو بھی جنت دی جائے گی، سزا کے بعد یا بغیر سزا، پھر اہل جنت اور دوزخ کو ہمیشگی رہے گی۔

دوام کیسے ممکن ہے : خلود اور دوام جنت والوں اور دوزخ والوں کے لیے واقع ہوگا، بلکہ یہ عقیدہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ جنت کی نعمتوں اور عذابِ دوزخ کی انتہا نہ ہوگی، ان کو متناہی کہنا گم راہی ہے، ہاں! وہ سب چیزیں بیک آن موجود نہ ہوں گی کہ تسلسلِ محال لازم آئے۔ اب بات صرف یہ رہ گئی کہ وہ کیا اجسام ہوں گے جو بوسیدہ نہ ہوں گے اور وہ کیا مادّے ہوں گے کہ منتشر نہ ہوں گے، وہ کیا چہرے ہوں گے کہ ان پر شکن نہ آئے گی، وہ کیا گل ہوں گے کہ خزاں رسیدہ نہ ہوں گے، تو اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان چیزوں کو بنائے جو فنا نہ ہوں، عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں، یہ تغیر و تبدل اس دنیا میں وقت کے سائے میں ہے۔ اگر کوئی موجود اس سے آزاد ہو جائے تو تغیر سے محفوظ ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ .... (جاری)

پیشین گوئی

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: حافظ محمد سرور نظامی پاکستان

معروف تاجر اور صاحب خیر عالی جناب الحاج رفیق برکاتی صاحب نے یہ دستاویزی مقالہ برائے اشاعت راقم الحروف کو عطا فرمایا ہم ان کے شکریے کے ساتھ یہ گراں قدر مقالہ قسط وار اشرفیہ کے صفحات پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ در اصل جلیل القدر ولی حضرت نعمت اللہ شاہ علیہ الرحمہ کے اشعار کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ خدمت حافظ محمد سرور نظامی نے بڑے سلیقے سے انجام دی ہے۔ مرتب و شارح اپنے مقالے کے پیشِ لفظ میں رقم طراز ہیں:

لوحِ محفوظ است پیشِ اولیا　　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

ترجمہ: لوحِ محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہوتی ہے، جو کچھ وہاں پر محفوظ ہے وہ خطا سے غلطی سے پاک ہے۔
حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کشمیری ایک عظیم اللہ والے گزرے ہیں، جفر کا علم تو حضور کا غلام تھا۔ یہ آپ کی ادنیٰ کرامت ہے کہ حضور نے آج سے آٹھ سو سال پیش تر پیش گوئی ارشاد فرمائی اور وہ حرف بہ حرف پوری ہوتی چلی آرہی ہے۔ بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے تقریباً دو ہزار اشعار سپردِ قلم کیے ہیں جن میں سے راقم الحروف کے پاس دو سو اڑتالیس اشعار ہیں۔ بعض کی ردیف "مے بینم" اور بعض کی ردیف "پیدا شود" ہے اور بعض قافیہ بیانہ، میزانہ، یگانہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ آپ مختلف شہروں میں سیاحت فرماتے ہوئے کشمیر تشریف لائے اور وہیں وصال فرمایا۔
چناں چہ راقم الحروف کے ذہن میں ایک عرصہ سے خیال پیدا ہوا کہ ان اشعار کو یک جا کر کے طباعت کرائی جائے تاکہ یہ مجموعہ محفوظ ہو جائے۔

ہم سودے ستانند از مردمانِ مسکین
بر سر غرور و لعنت بر سر نہند خزانہ

ترجمہ:- ایک جماعت مجبور لوگوں سے سود لیا کرے گی۔ ان کے سر پر لعنت ہو اور سر پر خزانہ رکھے ہوئے ہوں گے۔

اندر نماز باشند غافل ہمہ مسلماں
عالم اسیر شہوت ایں طور در جہانہ

ترجمہ:- مسلمان نماز سے غافل رہیں گے، عالم شہوت کے قیدی ہوں گے۔ دنیا میں اسی طرح ہو گا۔

روزہ، نماز، طاعت یک دم شوند غائب
در حلقۂ مناجات تسبیح از ریانہ

ترجمہ:- روزہ، نماز، اور اطاعت شعای یک لخت غائب ہو جائے گی، مناجات کی محفلوں میں ذکر و اذکار ریاکارانہ ہو گا۔

شوقِ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ و فطرہ
کم گردد و بر آید یک بار خاطرانہ

ترجمہ:- نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، فطرہ کا شوق کم ہو جائے گا۔ دلوں پر ایک بوجھ معلوم ہو گا۔

ناگاہ مومناں را شورِ پدید آید
با کافراں نمایند جنگے چوں رستمانہ

ترجمہ:- اچانک مسلمانوں کو ایک ظاہری شور سنائی دے گا۔ کافروں کے ساتھ ایک رستمانہ دلیرانہ جنگ لڑیں گے (یہ واقعہ ۱۹۶۵ء میں رونما ہوا جب صدر پاکستان ایوب خان تھے۔)

شمشیر ظفر گیرند با خصم جنگ آرند
تا آں کہ فتح یابند از لطف آں یگانہ

ترجمہ:- فتح والی تلوار پکڑ کر دشمن کے ساتھ جنگ کریں گے، حتی کہ ذات باری تعالیٰ کی مہربانی سے فتح حاصل کر لیں گے۔

از قلب پنج آبی خارج شوند ناری
قبضہ کنند مسلم بر شہر غاصبانہ

ترجمہ:- پنجاب کے قلب سے (کھیم کرن سے) ناری لوگ بھاگ جائیں گے۔ مسلمان شہر پر غاصبانہ قبضہ کر لیں گے۔

کفار جملہ یک جا ہم عہد ہا نمایند
سازند مومناں را مغلوب جابرانہ

ترجمہ:- تمام کافر یک جا ہو کر اقرار کریں گے۔ مسلمانوں

کو جابرانہ مغلوب (سیاسی) کر لیں گے۔

بقال شود علم دار در ملک ہائے کفّار
فی النار گشتہ کفار در کفر حالتانہ

ترجمہ:- ہندو بنیا (شاستری) کافروں کے ملک میں صاحب علم ہو گا۔ کافر کفر کی حالت میں آگ میں چلا جائے گا۔ (یعنی مر جائے گا)۔

از لطف و فیض یزداں بعد از ایام ہفدہ
خوں ریختہ و قرباں دادند غازیانہ

ترجمہ:- سترہ روز کی جنگ کے بعد ذات باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے غازی لوگ خوں ریزی کر کے اور قربانی دے کر سرخرو ہوں گے۔

در حین بے قراری ہنگام اضطراری
رحمے کند چو باری بر حال مومنانہ

ترجمہ:- بے قراری اور اضطرار کے وقت ذات باری تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے گی۔

مومنان میر خود را از سفیہ تنزیل سازند
بر مسلماں بباید تذلیل خاسرانہ

ترجمہ:- مسلمان اپنے صدر کو سفاہت سے اتاریں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو خسارہ والی ذلت آئے گی۔

خونِ جگر بنوشم از رنج باتو گویم
للہ ترک گرداں آں طرز راہبانہ

ترجمہ:- میں اپنے جگر کا خون پی کر رنج کے ساتھ تجھے کہتا ہوں خدا کے لیے وہ طریقہ راہبوں والا ترک کر دے۔

قہر عظیم آید بہر سزا کی شاید
آخر خدا بہ سازد یک حکم قاتلانہ

ترجمہ:- (ورنہ) ایک بڑا قہر آئے گا، جو سزا کے لیے سزاوار ہو گا، آخر کار ذات باری تعالیٰ ایک حکم قاتلانہ جاری کر دے گی۔

کشتہ شوند مسلماں افتاں شوند خیزاں
از دست نیزہ بنداں یک قوم ہندوآنہ

ترجمہ:- اس حکم میں مسلمان جان سے مارے جائیں گے۔ گرتے پڑتے اٹھتے ہوئے ہوں گے۔ (یعنی نقصان اٹھائیں گے) ایک ہندو قوم کے ہاتھوں جو اسلحہ بند ہو گی۔

مشرق شود خرابے از مکر حیلہ کاراں
مغرب دہند گریہ بر فعل سنگ دلانہ

ترجمہ:- مشرقی پاکستان حیلہ کاروں کے فریب سے تباہ ہو گا۔ مغربی پاکستان والے سنگ دلانہ فعل پر گریہ و زاری کریں گے۔

ارزاں شود برابر جائداد و جانِ مسلم
خوں می شود روانہ چوں بحرِ بے کرانہ

ترجمہ:- مسلمانوں کی جان جائداد کی طرح سستی ہو گی۔ گہرے سمندر کی طرح مسلمانوں کا خون رواں ہو گا۔

شہر عظیم باشد اعظم ترین مقتل
صد کربلا چوں کربل باشد نجانہ خانہ

ترجمہ:- ایک بہت بڑا شہر (ڈھاکہ) بہت بڑی قتل گاہ بنے گا، کربلا کی طرح سیکڑوں کربلائیں گھر گھر رونما ہوں گی۔

رہبر ز مسلماناں در پردہ یار آناں
امداد دادہ باشد از عہد فاجرانہ

ترجمہ:- مسلمانوں کا رہبر پردہ میں ان کا دوست ہو گا۔ اپنے فاجرانہ اقرار سے انھیں امداد دے گا۔

از گاف شش حروفی بقال کینہ پرور
مفتح شود یقینی از مکر ماکرانہ

ترجمہ:- وہ شخص (اندرا گاندھی) جس کا نام گاف سے شروع ہو گا، اس کے نام کے کل چھ حروف ہوں گے، اپنے مکر اور مکاری سے یقینی طور پر فاتح ہو گا۔ (گ. ا. ن. د. ھ. ی)

ایں قصہ بین العیدین از شین و نون شرطین
سازد ہنود بدرا مغلوب فی زمانہ

ترجمہ:- یہ واقعہ دو عیدوں کے درمیان جب کہ سورج درجہ پچاس پر ہو گا اور چاند شرطین کی منزل میں ہو گا۔ ہندو ہر برے آدمی کو اس وقت مغلوب کر دے گا۔ شین سے شمس مراد ہے۔ نون سے پچاس درجہ۔ شرطین چاند کی تاریخ ہے۔ (یہ واقعہ ۲۲/نومبر ۱۹۷۱ء کو رونما ہوا جب صدر پاکستان یحییٰ خان تھا)

ماہِ محرم آید چوں تیغ با مسلماں
سازند مسلم آندم اقدام جارحانہ

ترجمہ:- محرم کے مہینے میں مسلمانوں کے پاس ہتھیار آجائیں گے۔ مسلمان اس وقت جارحانہ قدم اٹھائیں گے۔

بعد آں شود چوں شورش در ملکِ ہند پیدا

فتنہ، فساد برپا، بر ارض مشرکانہ

ترجمہ:-اس کے بعد ہندوستان کے ملک میں ایک شورش ظاہر ہوگی۔ مشرکانہ سرزمین پر فتنہ فساد برپا ہوگا۔

درحین خلفشارے قومے کہ بت پرستاں

بر کلمہ گویاں جابر از قہر ہندوانہ

ترجمہ:- اس خلفشار کے وقت بت پرست قوم کلمہ گو مسلمانوں پر جابر ہوگی۔ ہندوؤں کے قہر وغضب کی وجہ سے مسلمان صبر کرنے والے ہوں گے۔

بر مومنانِ غربی شد فضلِ حق ہویدا

آید بدست ایشاں مردانِ کاروانہ

ترجمہ:- مغربی پاکستان کے مسلمانوں پر ذاتِ باری تعالیٰ کا فضل ظاہر ہوگا، ان کے ہاتھ کام چلانے والے آدمی آجائیں گے۔

بہر صیانتِ خود از سمت کج شمالی

آید برائے فتح امداد غائبانہ

ترجمہ:- اپنی امداد کے لیے شمال مشرق سے فتح حاصل کرنے کے لیے غالبانہ امداد آئے گی۔

آلاتِ حرب و لشکر در کار جنگ ماہر

باشد سہیم مومن بے حد و بے کرانہ

ترجمہ:- جنگی ہتھیار اور جنگی معاملہ میں ماہر لشکر آئے گا۔ مسلمانوں کو بے حد وحساب تقویت پہنچے گی۔

عثماں، عرب و فارس ہم مومنانِ اوسط

از جذبۂ اعانت آیند والہانہ

ترجمہ:- ترکی والے، عرب والے، ایران والے اور مشرق وسطیٰ والے امداد کے جذبہ سے دیوانہ وار آئیں گے۔

اعراب نیز آیند از کوہ و دشت وہاموں

سیلاب آتشیں شد از ہر طرف روانہ

ترجمہ:- پہاڑوں اور جنگلوں سے اعراب (بدو) بھی آئیں گے۔ آگ والا سیلاب چاروں طرف روانہ ہوگا۔

چترال، نانگا پربت باسین ملک گلگت

پس ملک ہائے تبت گیرد نار جنگ آنہ

چترال، نانگا پربت، چین کے ساتھ گلگت کا علاقہ مل کر تبت کا علاقہ میدانِ جنگ بنے گا۔

یک جا شوند عثماں ہم چینیاں و ایراں

فتح کنند ایناں کل ہند غازیانہ

ترجمہ:- ترکی والے، چین والے اور ایرانی ایک جگہ ہو جائیں گے۔ یہ سب تمام ہندوستان کو غازیانہ فتح کرلیں گے۔

غلبہ کنند ہم چوں مور و ملخ شباشب

حقا کہ قوم مسلم گردند فاتحانہ

ترجمہ:- چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح راتوں رات غلبہ حاصل کریں گے۔ میں قسم کھاتا ہوں حق تعالیٰ کی کہ مسلمان قوم فاتح ہوگی۔

کابل خروج سازد در قتل اہل کفار

کفار چپ و راست سازند بسے بہانہ

ترجمہ:- اہل کابل کافروں کا قتل کرنے کے لیے نکل آئیں گے، کافر لوگ دائیں بائیں بہانہ سازی کریں گے۔

از غازیانِ سرحد لرزد زمیں چو مرقد

بہر حصولِ مقصد آیند والہانہ

ترجمہ:- سرحدی غازیوں سے زمین مرقد کی طرح لرزے گی۔ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دیوانہ وار آئیں گے۔

از خاص و عام آیند جمع تمام گردند

دار کار آں فزایند صد گونہ غم افزانہ

ترجمہ:-عام خاص لوگ سب کے سب جمع ہو جائیں گے۔ اس کام میں سیکڑوں قسم کے غم کی زیادتی ہوگی۔

بعد از فریضۂ حج پیش از نمازِ فطرہ

از دستِ رفتہ گیرند از ضبطِ غاصبانہ

ترجمہ:- یہ واقعہ بڑی عید کے بعد اور (چھوٹی) عید الفطر کی نماز سے پہلے ہوگا۔ ہاتھ سے گئے ہوئے علاقہ کو حاصل کرلیں گے جو انھوں نے غاصبانہ ضبط کیا ہوا ہے۔

رودِ اٹک نہ سہ بار از خون اہل کفار

پر مے شود بہ یک بار جریان جاریانہ

ترجمہ:- دریائے اٹک کافروں کے خون سے تین مرتبہ بھر کر جاری ہوگا۔

پنجاب، شہر لاہور، کشمیر، ملک منصور

دو آب، شہر بجنور، گیرند غالبانہ

ترجمہ:- پنجاب، شہر لاہور، ملک کشمیر، نصرت شدہ گنگا اور جمنا، شہر بجنور پر مسلمان غالبانہ قبضہ کرلیں گے۔ (دو آب سے مراد دریائے گنگا اور دریائے جمنا ہے)

از دخترانِ خوش رو از دلبرانِ مہ رو

گیرند ملک، آں سو، خلقے مجاہدانہ

ترجمہ:- خوب رو لڑکیاں اور حسین دل رُبائیں، مجاہدین مالِ غنیمت میں اپنی ملکیت میں لے لیں گے۔

بعد از عقب ایں کار مغلوب اہل کفار

مسرور فوجِ جرار باشند فاتحانہ

ترجمہ:- اس کام کے بعد کافر مغلوب ہو جائیں گے۔ جری لشکر خوش ہو جائے گا اور فاتح ہوگا۔

ایں غزوہ تا بہ شش ماہ پیوستہ ہم بشرہا

مسلم بفضل اللہ گردند فاتحانہ

ترجمہ:- یہ لڑائی چھ ماہ تک جاری رہے گی۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے فاتح ہوں گے۔

خوش می شود مسلماں از لطف و فضل یزداں

خالق نمایدا اکرم از لطف خالقانہ

ترجمہ:- مسلمان ذات باری تعالیٰ کے فضل وکرم سے خوش ہو جائیں گے۔ ذات باری تعالیٰ خالقانہ لطف فرمائے گی۔

کشتہ شوند جملہ بد خواہ دین و ایماں

کل ہند پاک باشد از رسم ہندوانہ

ترجمہ:- دین اور ایمان کے بد خواہ لوگ جان سے مارے جائیں گے۔ تمام ہندوستان ہندو (گورنمنٹ) سے پاک ہو جائے گا۔

یک زلزلہ کہ آید چوں زلزلہ قیامت

آن زلزلہ بہ قہر در ہند و سندھیانہ

ترجمہ:- ایک زلزلہ قیامت کے زلزلوں کی طرح آئے گا۔ وہ زلزلہ قہر بن کر ہند اور سندھ میں نمودار ہوگا۔

چوں ہند، ہم بہ مغرب قسمت خراب گردد

تجدید یاب گردد جنگ سہ نوبتانہ

ترجمہ:- ہندوستان کی طرح مغرب کی یعنی یورپ کی تقدیر خراب ہو جائے گی۔ تیسری عالم گیر جنگ تازہ ہو جائے گی۔

آں دو الف کہ گفتم الفے تباہ گردد

رآ حملہ ساز یا بد بر الف مغربانہ

ترجمہ:- دو الف انگلستان اور امریکہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک الف (انگلستان) تباہ ہو جائے گا۔ روس انگلستان پر حملہ کر دے گا۔

جیم شکست خوردہ یارا برابر آید

آلاتِ نار آرند مہلک جہنمانہ

ترجمہ:-جرمنی یا جاپان عالم گیر جنگ دوم میں شکست خوردہ روس کے ساتھ برابری کرے گا یا ساتھ مل جائے گا۔ جنگ میں آتشی ہتھیار بڑے مہلک قسم کے جہنمی استعمال کریں گے۔

راہم خراب باشد از قہر "شین" سازد

آزاد امان یابد از حیلہ و بہانہ

ترجمہ:- روس بھی چین کے قہر وغضب سے تباہ ہو جائے گا۔ چین سے روس مکر اور بہانہ سے امان حاصل کر کے جان بچائے گا۔

کاہد الف جہاں کو یک نقطہ رونماند

الا کہ اسم و یادش باشد مؤرخانہ

ترجمہ:- انگلستان اتنا تباہ ہوگا کہ اس کا ایک نقطہ بھی باقی نہ رہے گا۔ مگر اس کا نام اور ذکر کتبِ تاریخ میں باقی رہ جائے گا۔

تعزیر غیبی آید مجرم خطاب گیرد

دیگر نہ سرفرازد بر طرزِ راہبانہ

ترجمہ:- یہ انھیں غیبی سزا ملی اور خطابِ مجرم حاصل ہوا۔ دوسرا کوئی شخص راہبوں کی طرح سربلندی نہ کرے گا۔

دنیا خراب کردہ باشند بے ایماناں

گیرند منزلِ خود فی النار دوزخانہ

ترجمہ: ان بے ایمانوں نے اپنی دنیا خراب کرلی ہے۔ آخر کار اپنی منزل دوزخ میں انھوں نے بنالی۔

رازے کہ گفتہ ام من، درّے کہ سفتہ ام من

باشد برائے نصرت اسناد غائبانہ

ترجمہ:- وہ راز جو میں بیان کر چکا ہوں وہ موتی جو میں پرو چکا ہوں یہ غیبی سند ہے اور میں نے اس لیے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی مدد یقیناً کرے گا۔.........(باقی، ص:۷۰پر)

شعاعیں

خطبہ حجۃ الوداع

اور اسلامی سیاست

محمد جواد مصباحی

کسی قوم کے آبائی نظریات اور پیڑھی در پیڑھی چلے آرہے عقائد وافکار کو اپنے نظریات کے سانچے میں ڈھالنا بہت مشکل امر ہے۔ یوں ہی اگر معاشرے میں برائیوں کا رواج اتنا عام ہو جائے کہ لوگ اسے برائی ہی نہ سمجھیں تو ان کا ختم کرنا کافی دشوار اور ایک چیلنج بھرا کام ہے اور یہ دشواری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ لوگ اپنے نظریات یا خصائل پر اتنی سختی برتتے ہوں کہ ان کے خلاف کوئی بات سننا کسی طرح گوارا نہ کریں۔

اسلام کی کرن پھوٹنے سے پہلے خطۂ عرب کا مزاج وماحول کچھ اسی طرح کا تھا جہاں اخلاقی قدریں منہ چھپائے اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھیں، کردارکشی، قتل وغارت گری، حق تلفی، خود غرضی لوگوں کے حواس پر چھا کر راج کر رہے تھے اور محبت والفت، عفو ودرگزر اپنی درماندگی پر آنسو بہا رہے تھے۔ چاروں طرف کفر وشرک اور ظلم وعدوان کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسے خطرناک ماحول کے بدلنے اور سسکتی ہوئی انسانیت کو جادۂ حق وصواب سے آشنا کرنے کے لیے مذہب اسلام اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا، جس کی چکا چوند سے اہل عرب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اسلام، جو دینِ فطرت تھا، اس نے اہلِ عرب کے مزاج و معیار کو بھانپتے ہوئے اپنی حسنِ تدبیر، اعلیٰ بصیرت اور تعمقِ فطری سے دھیرے دھیرے اپنے مزاج سے ہم آہنگ کرنا شروع کیا اور ان سے قلب وروح کی تطہیر کرتے ہوئے اپنے قالب میں ڈھالتا چلا گیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ ہر قسم کی برائی خطۂ عرب سے نکل گئی۔ عقائد واعمال بدل گئے، اخلاقی اقدار اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے اور انسانیت منتہائے کمال پر کھڑی مسکرانے لگی۔

جب آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ تاریخ انسانیت میں برپا ہونے والے اتنے عظیم انقلاب کے پیچھے پیغمبر اسلام کی تدبیریں، فکری دوررسی، اور اعلیٰ سیاست کار فرما تھی۔ آپ کی پاکیزہ سیاست ہی کا کمال تھا کہ سارا ماحول بدل گیا اور انسانی معاشرہ کے ساتھ ساتھ حیوانات اور بہائم بھی سیاستِ نبوی کے فیضان سے محروم نہ رہے اور چاروں طرف امن وامان کی کیف آگیں فضا قائم ہو گئی۔

امن عالم اور انسانیت کے تحفظ کے لیے اللہ کے نبی ﷺ نے جس سیاست اور تدبیر سے کام لیا تھا۔ ایسی انقلاب آفریں، پاکیزہ اور ستھری سیاست تاریخ انسانی میں کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ دنیا میں بہت سی قومیں عروج پذیر ہوئیں، جنھوں نے انسانیت کے نقطۂ کمال کو پانے کے لئے ذہن وفکر کی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں اور اپنی تدبیر وسیاست سے اس پاکیزہ مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر ان میں کوئی افراط کا شکار ہو کر اپنی فطرت سے بغاوت کر بیٹھا اور کوئی تفریط کا شکار ہو کر انسانیت کی اعلیٰ سطح سے گر گیا۔ مگر اسلامی سیاست ہی کا یہ کمال ہے کہ افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل انداز میں اس نے انسانیت کو نقطۂ کمال پر پہنچا دیا۔

تاریخِ اسلام کا ایک درخشندہ باب جسے حجۃ الوداع سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہادیِ برحق اور پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اس موقع پر اپنی امت سے آخری خطاب فرمایا اور جس سیاست کو عملی جامہ پہنا کر محض ۲۳ سال کی قلیل مدت میں آپ نے ملکِ عرب کے چپے چپے میں امن وامان کا نقارہ بجا دیا۔ آخری خطبے میں آپ نے اسے تدبیر و سیاست کے عالمی اور آفاقی منشور کو اپنی امت کے روبرو پیش فرمایا اور عائلی، سماجی، ملکی نظام معاشرت کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اس پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا۔

ورق الٹیے اور خطبۂ حجۃ الوداع کے تناظر میں اسلام کی اس سیاست کو دیکھیے جس نے تاریخ ساز انقلاب برپا کر دیا۔

سن دس ہجری میں اللہ کے نبی ﷺ نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا، حج کا مہینہ آتے ہی عشاق کا نہ تھمنے والا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ اپنے آقا ومولا کی قیادت وسرپرستی میں حج کی ادائیگی حج مقبول کی سند

جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، ضلع اوریا، یو.پی.

تھی۔ چناں چہ شمع رسالت نے اپنے پروانوں کے جھرمٹ میں حج کی رسومات ادا فرمائیں اور میدانِ عرفات میں اپنے جاں نثاروں کی موجودگی میں قیامت تک کے انسانوں سے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ آج کی بلکتی ہوئی انسانیت کو اس کا سراغ لگ جائے تو اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رقص کرنے لگے۔ سب سے پہلے آپ نے انسانی جان کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

بعد الحمد لله والثناء عليه ايها الناس! إن دماءكم و اموالكم عليكم حرام إلىٰ أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هٰذا في شهركم هذا في بلدكم هٰذا.

اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تم پر عزت و حرمت والے ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے اور جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے اور جس طرح تمہارا آج کا یہ دن حرمت والا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے ہر انسانی جان اور مال کو عزت وحرمت والا قرار دیا، کسی بھی انسانی جان کو بلاوجہ ضائع کر دینا یا کسی کے مال کو برباد کر دینا اسلامی مزاج کے ناموافق ہے۔ وہ بلا تفریق مذہب و ملت، زبان وعلاقہ اور رنگ ونسل ہر جان کو قابلِ احترام ہونے کا تصور دیتا ہے اور آگے یہ ارشاد فرما کر "إنكم ستلقون ربكم فيسئلكم عن اعمالكم" آخرت کی بازپرسی اور خوفِ خدا کا احساس پیدا کیا۔ یہ وہی وہ احساس ہے کہ جس دل میں یہ گھر کر لیتا ہے وہ انسانیت کو کسی طرح کی اذیت پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرتا۔

جب آپ اقوامِ عالم کا معائنہ کریں گے تو پائیں گے کہ امریکہ حقوقِ انسانی کا سب سے بڑا علم بردار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ دن رات امنِ عالم اور انسانیت کے تحفظ کی باتیں کرتا ہے، جسے اپنے بلند بانگ دعووں پر حد درجہ غرور ہے اور اپنی بھونڈی تدبیر کے ذریعہ وہ قیامِ امن کے لیے دماغ کا سارا زور ختم کر رہا ہے۔ وہیں دوسری طرف انسانی جانوں کو گاجر مولی کی طرح برباد کرنے سے بھی وہ دریغ نہیں کرتا۔ عراق کی داستانِ رنج والم کسے یاد نہیں ہے جہاں بے بنیاد الزام لگا کر زبردستی حملہ کر کے خاک وخون کا ایسا ننگا ناچ رچایا کہ پوری انسانیت نے شرم سے سر جھکا لیا۔ عراق کی سرزمین پر یہ خوں چکاں داستان رقم کرنے کے بعد بھی امریکہ تحفظِ انسانیت کا مدعی ہے، امن لانے کا متمنی ہے، مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ بے گناہوں کا خون بہا کر اور انسانی جانوں کی بے حرمتی کر کے دنیا میں امن لانے کی باتیں کرنا کسی دیوانے کی بڑسے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ جن کے دلوں میں انسانی جانوں کی حرمت نہیں ہوتی، ان سے حقوقِ انسانی کی بازیابی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے پیغمبر اسلام نے سب سے پہلے انسانی جانوں کی حرمت کا درس دیا، اس لیے کہ جب یہ احساس پیدا ہو جائے گا تو دیگر حقوقِ انسانی کا تحفظ بہ آسانی ممکن ہو گا۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کے نظریۂ حرمتِ نفس کی تائید وحمایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.

[پارہ: ٦، سورہ مائدہ، رکوع: ٨]

جس نے کسی کی جان کو بلاوجہ قتل کیا یا زمین میں فساد برپا کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا خون کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخشی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ اس نظریے میں امن عالم کی سوغات صاف دکھائی دے رہی ہے۔ قیامت تک ہونے والے امن کے متلاشی خطبۂ حجۃ الوداع اور قرآن کریم کی ان تعلیمات پر جس دن عمل کریں گے وہ دن تاریخ انسانیت کا سب سے پر امن دن ہو گا۔

آئے دن اخبارات میں غربت وافلاس سے موت کو گلے لگانے والوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ملک کے سیاسی مفکرین ملک کے معاشی ڈھانچہ کو سدھارنے کی بات کرتے رہتے ہیں، لیکن غریب عوام کو دو وقت کی روٹی میسر نہیں ہوتی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ملک کے معاشی استحکام کے لیے رہ نما اصول اپنی امت کو سکھاتے ہوئے فرمایا:

ان كل ربا موضوع ولكن لكم رؤس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون قضى الله أنه لا ربا.

بے شک ہر سود کالعدم ہے، ہاں اصل مال تمہارے لیے ہے، تم کسی پر ظلم نہ کرو، تمہارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ کوئی سود نہیں۔

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے معاشی اعتبار سے مستحکم ہونا بہت ضروری ہے۔ جس ملک کے باشندوں میں غربت وافلاس کا زبردست گزر ہو وہاں کی ترقی اور امن پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ سود معاشرے کی ایسی لعنت ہے جس کے ہوتے ہوئے غربت وافلاس کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ایک غریب انسان اپنے خون پسینے سے دو وقت کی روٹی کا انتظام

کرتا ہے، دن رات کام کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، مگر جب حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ قرض لے لیتا ہے تو زر کے پجاریوں کی ہوس کا ایسا شکار ہوتا ہے کہ زندگی بھر اسی سود کی ادائگی میں گزر جاتی ہے، اور آخر موت کو گلے لگا کر ہی اسے سود سے رستگاری حاصل ہوتی ہے۔ ملک میں غریبوں کی فلاح اور ترقی کے لیے بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں بنائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے لیڈر غریبوں کو آگے بڑھانے کی بات کرتے ہیں، مگر سود کے ذریعہ غریب عوام کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لیے سرکاری سطح پر نہ کوئی قانون ہے اور نہ ہی غیر سرکاری سطح پر کسی قسم کی روک تھام کا منصوبہ، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طبقہ کے ہاتھ میں دولت سمٹتی چلی گئی اور دوسرا طبقہ بھوک مری کا شکار ہو کر جرائم میں پھنس گیا۔ چوری، ڈاکہ زنی، جسم فروشی یہ سب اسی غربت کی دین ہے۔ پورے ملک کا سروے کیجیے تو پتہ چلے گا کہ نہ جانے کتنے ہنستے کھیلتے گھر سود کی وجہ سے ویرانوں میں بدل گئے۔ خاندان کے خاندان ترقی کے دھارے سے کٹ گئے۔ سودی نظام پر پابندی کے بغیر غربت و افلاس کا خاتمہ بالکل ناممکن ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام نے معاشی استحکام کے لیے سب سے پہلے سود کو حرام قرار دیا تاکہ اگر کوئی غریب انسان امیروں سے رقم لے کر کچھ کرنا چاہے تو بلا کسی زائد معاوضہ کے اپنا کام چلا سکے اور یوں غربت کا دھیرے دھیرے خاتمہ ہو جائے اور ہر گھر خوش حالی کی زندگی گزارے۔ یہ ہے نظام معاشرت کو بہتر بنانے کے لیے اسلامی سیاست! اسی دستور العمل کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دورِ خلافت میں ملک کا معاشی حال اتنا بہتر ہو گیا تھا کہ غریب و مفلس لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے۔ صاحبِ نصاب مالِ زکوٰۃ لیے نکلتے تھے مگر انھیں مفلس اور ایسا کوئی تہی دست نہ ملتا تھا کہ جسے زکوٰۃ دے کر وہ اپنے فرض سے سبک دوش ہو سکیں اور اس کی وجہ سے جرائم بھی بند ہو گئے تھے۔ امن اور شانتی ہر طرف پھیل گئی تھی۔

نیر اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے کی صنفِ نازک کی تاریخ بڑی رقت انگیز ہے، جسے اگر محض انسانیت کے ناتے ہی پڑھا جائے تو آنکھیں نم ضرور ہو جائیں گی۔ سماج اور سوسائٹی میں عورتوں کی کوئی وقعت اور عزت نہیں تھی۔ انھیں لونڈی اور داسی بنا کر صرف شہوت رانی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ سرِ عام عورت کی عزت و ناموس کا سودا کیا جاتا تھا۔ کبھی حکمرانوں کے حرم کی داشتہ تو کبھی باندی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس انارکی اور ظلم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اور عورت کا صحیح مقام و مرتبہ متعین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أیها الناس إتقوا الله واسترصو بالنساء خیراً فإنهن عندکم عوانٍ لا یملکن لأنفسهن شیئاو إنکم إنما أخذ تموهن بامانة الله.

اے لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو میں تمھیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ وہ تمہارے زیر دست ہیں، وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہیں اور یہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانوں کو یہ باور کرایا کہ عورت اللہ کی بہترین نعمت ہے، حقوقِ انسانی میں اسے برابر کی شرکت کا حق ہے، اسلام کی تعلیمات سے وہ عورت جسے راہ کا پتھر سمجھ کر ٹھوکروں پر رکھا جاتا تھا وہی عورت عزت و عظمت کی مستحق سمجھی جانے لگی اور اسلام نے گھر کی ملکہ بنا کر اسے معزز و معتبر کر دیا۔

امریکہ کی تعلیمات اور مذہبی تہذیب و تمدن نے ایک بار پھر عورت کو عہد رفتہ کی طرف پلٹا دیا ہے جہاں عورت مظلومیت کی دہلیز پر کھڑی اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی دہائی دیتی تھی۔ آج کی عورت کسی قسم کی حاکمیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اپنے شوہر کی حاکمیت سے اسے چڑ ہوتی ہے، وہ آزاد رہنا چاہتی ہے اور شخصی آزادی کے مغربی تصور نے اسے کمانے کے لیے گھر کی دہلیز سے باہر نکال دیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امریکہ اور ان جیسے دیگر ممالک میں اخلاقی قدریں پست ہوتی گئیں، ہر طرف جنسیت کا عفریت انسانی اقدار کو منہ چڑا رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کسی معاشرہ میں جنسیت حاوی ہو جاتی ہے تو اس کی کوکھ سے ایسے ایسے جرائم پیدا ہوتے ہیں جو امن کی فضا میں امن اور بد نظمی کے جراثیم گھول دیتے ہیں۔ امریکہ اور اس کی اندھی تقلید کرنے والے ممالک مادی طور پر کتنی ہی ترقی کر گئے ہوں، مگر اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ان کے اندر بے چینی کا طوفان ہچکولے کھا رہا ہے جو جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ عورتوں کی مطلق العنانی ہے۔ اگر روحانی سکون، اخلاقی اقدار اور انسانیت کے کمال کو پانا ہے تو عورتوں کے متعلق اسلام نے جو تصور دیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات پات اور نسلی تفاخر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ہندوستان ہی کو لے لیجیے، یہاں ایک

مذہب کے ماننے والوں میں کئی ذاتیں رائج تھیں، مثلاً برہمن، چھتری شودر، ویش اور نہ جانے کتنی ذاتیں تھیں جن کے سبب آپس میں بھید بھاؤ اور قوانین میں امتیازات برتے جاتے تھے۔ دلت اور پس ماندہ لوگوں کو پیدائشی غلام سمجھا جاتا تھا، جس کے سبب ان کی نئی نسل احساسِ کم تری کا بری طرح شکار ہو کر ذہنی الجھنوں میں پھنس کر ترقی کے تصور ہی سے دور رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے ہندوستانی نے کبھی کوئی قابلِ قدر کارنامہ انجام نہیں دیا اور جہاں جہاں یہ امتیازات ہوتے ہیں وہ بہت کم ہی ترقی کر پاتے ہیں۔ چوں کہ عرب کا سماج بھی اسی برائی میں پھنسا ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے سب سے پہلے اس کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور ذات پات کے تصور کو کالعدم قرار دیتے ہوئے پوری نسل انسانی کو وحدت کا تصور دیا۔ ۲۳ ر سال تک آپ اس تصور کو وحدت کا جامعہ پہناتے رہے اور عملی نمونے امت کے سامنے پیش فرماتے رہے اور امت سے رخصتی کے وقت ہی وصیت کی کہ آپس میں مل کر رہو، ذات پات کوئی چیز نہیں چناں چہ ارشاد فرمایا:

أمّا بعد ایها الناس! ألا و إن ربکم واحد. إلا و إن آبائکم واحد ألا لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علیٰ اسود إلا بالتقوی ان اکرمکم عند الله اتقاکم.

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں سوائے تقویٰ کے۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے نسلی تفاخر، علاقائی غرور اور ذات پات کے ذریعہ پنپتے ہوئے احساسِ برتری کے جذبہ کو بالکل دبا دیا اور اسے معیوب قرار دیا تاکہ نسل انسانی ذات پات، علاقہ و زبان کے ڈھکوسلوں سے نکل کر زندگی کے مختلف شعبوں میں اجتماعی یا انفرادی طور پر اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی شخصیت کی تعمیر کریں۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تاریخ میں غلام اور غلام زادے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے گئے۔ پورے ملک عرب میں ہمدردی، خیر سگالی اور خیر خواہی پھیل گئی۔ آج اگر نسلی امتیازات اور علاقائی تفریق کے خلاف ہر طرف آواز بلند ہو رہی ہے تو یہ اسلام ہی کی صداقت ہے جو سر چڑھ کر بول رہی ہے۔ ذات پات کو دنیا آج انسانی ترقی کے لیے مضر بتا رہی ہے اور پیغمبر اسلام نے چودہ سو سال پہلے اس کے خلاف علم جہاد بلند فرما کر انسانیت کی تعمیر و ترقی کا راستہ ہموار کیا، اور یہی نہیں کہ صرف ذات پات کے تفاخر کو ختم کیا، بلکہ آپس میں اس طرح رہنے کی تعلیم دی گویا سب ایک ہی گھر کے افراد ہیں جو مختلف مکانات میں گزارا کر رہے ہیں۔

آج کے نفسا نفسی اور ہمہ ہمی کے ماحول میں لوگ اتنے خود غرض اور مفاد پرست ہو گئے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا، حسن اخلاق، رواداری، معاونت کا فقدان تیزی سے بڑھ رہا ہے، حالاں کہ ان عناصر کے بغیر پر امن معاشرہ تشکیل نہیں پاتا، اسی لیے پیغمبر اسلام نے ایک دوسرے کے ساتھ خاص طور سے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، خطبہ حجۃ الوداع میں آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان جملوں میں انسانیت نوازی کی خوشبو مہک رہی ہے۔

عباد الله ولا تعذبوهم اوصیکم بالجار حتی اکثر فقلنا إنه سیورثه.

اے اللہ کے بندو! پڑوسیوں کو تکلیف مت پہنچاؤ، میں پڑوسی کے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے یہ اتنی بار فرمایا کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ ان کو وارث نہ بنا دیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے کسی تفریق کے بغیر پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی، کوئی بھی، کسی بھی مذہب و ملت یا علاقہ کا ہو، اگر پڑوسی ہے تو محض انسانیت کا جذبہ پروان چڑھے اور اس طرح کی ہمدردی سے پر امن معاشرہ کا وجود ہو۔

حاصل کلام یہ کہ امن و امان اور پر سکون معاشرہ کی تشکیل کے لیے پیغمبر اسلام نے بہترین خطوط کھینچ دیے ہیں جن پر چل کر انسانیت کے نقطۂ کمال کو پایا جا سکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی اسی تدبیر اور حسن سیاست کا آئینہ دار ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے تناظر میں اسلامی سیاست و تدبیر دیکھی جا سکتی ہے جس کے ذریعہ ایک بار پھر دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔

ماخذ: مشکوٰۃ شریف، ص: ۲۲۴ باب قصہ حجۃ الوداع ◆ سبل الہدیٰ، ج: ۸، ص: ۶۴۴ بحوالہ ضیاء النبی ص: ۷۵۳ ◆ سیرت ابن ھشام، ج: ۴، ص: ۲۵۰

◆◆◆◆

ہندوستان کے مسلم سلاطین

شرعی پاس داری و علمانوازی

ممتاز عالم مصباحی

ہندوستان میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ یہ عہد حکومت سیاسی و انتظامی، سماجی و تمدنی، علمی، مذہبی مختلف اعتبار سے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس زمانۂ حکومت کو عام طور پر عہد وسطیٰ کا ہندوستان کہا جاتا ہے۔ اس طویل دور میں حکومت کے کام کاج میں شریعت کا کیا عمل دخل تھا؟ حکمرانِ وقت کے طبعی میلانات و فکری رجحانات کیا تھے، وہ خود کس حد تک شرعی احکام کے پابند تھے، علما، فقہا اور مشائخ سے ان کا کس حد تک ربط و لگاؤ تھا؟ معاصر مؤرخین کی تضاد بیانیوں کے باوجود ان امور کے تعلق سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو کم و بیش تمامی حکمرانِ وقت کے یہاں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں:

- بعض کے استثنا کے ساتھ مسلم سلاطین نے عام طور پر نہ صرف یہ کہ شریعت کا ادب و احترام کیا بلکہ عوام کے سامنے اس کے اظہار کو بھی ضروری سمجھا۔ ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ ان سلاطین نے ذاتی و سیاسی فوائد کے لیے شرعی اصول و ضوابط کی خلاف ورزیاں بھی کیں لیکن شاید ہی کوئی ایسا حکمراں ملے گا جس نے علانیہ طور پر شریعت کا انکار کیا ہو۔
- سیاست و حکومت سے متعلق مختلف معاملات میں انھوں نے شرعی نقطۂ نظر جاننے میں بڑی دل چسپی کا مظاہرہ کیا اور اس کے لیے علما و مشائخ سے انفرادی و اجتماعی طور پر مشورہ کیا، ہاں! کبھی کبھار ان کے مشوروں کو عملاً نظر انداز بھی کر دیا گیا۔
- انھوں نے علما و مشائخ کو انتظامی امور پر شرعی نقطۂ نظر واضح کرنے کی اجازت دی اور اپنی حکومت کے خلاف ان کی تنقیدوں کو سنا اور اکثر کو گوارا بھی کیا۔
- انھوں نے علما و مشائخ کے ادب و احترام کو حد درجہ ملحوظ رکھا۔ اگر کسی عالم یا بزرگ کے ساتھ کسی حکمراں کے مخالفانہ یا معاندانہ رویہ کا واقعہ رونما ہوا تو اس کی وجہ اس سلطان کے زعم کے مطابق ذاتی و سیاسی مفاد کا تحفظ کرنا تھی یا اس کے علاوہ کوئی خاص پس منظر تھا۔ مجموعی طور پر علما و مشائخ سے عداوت و مخالفت کا شاخسانہ نہیں تھا۔
- انھوں نے عدل و انصاف کے معاملات میں شرعی احکام کو نافذ کرنے کا سب سے زیادہ مظاہرہ کیا۔

اس مختصر سی تحریر میں تمام مسلم سلاطین کے عہد کا جائزہ تو نہیں لیا جا سکتا بلکہ یہ عنوان تو ایک تفصیلی بحث کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے سر دست چند معروف مسلم سلاطین کے احترام شریعت، ان کی شرعی پاس داری، علما و مشائخ نوازی اور ان کی دیگر اسلامی سرگرمیوں کا ہی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ انشاء اللہ العزیز اس موضوع پر راقم السطور کی جلد ہی ایک تفصیلی کتاب منظر عام پر آئے گی۔

سلطان قطب الدین ایبک: سلطان قطب الدین ایبک جنھوں نے ۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۲۱۰ء تک حکومت کی، انھوں نے شریعت کا حد درجہ احترام کیا اور مذہبی طبقہ خاص طور پر معاصر علما و فقہا سے بھی خوش گوار تعلقات رکھے۔ حسن نظامی اور فخر مدبر نے ان کے مذہبی جذبات اور احترام شرع کی بڑی تعریف کی ہے، چناں چہ حسن نظامی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تاج المآثر" میں لکھا ہے:

«ہمت بلندش بر احیاے معالم شریعت و اعلائے اعلام سنت مقصور و موقوف داشت۔» (تاج المآثر، ص:۱۴)

ترجمہ: ان کی بلند ہمت شریعت کے نشانات کو زندہ کرنے اور سنت کے جھنڈوں کو بلند کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

فخر مدبر نے بھی اپنی کتاب "تاریخ فخر الدین مبارک شاہ" میں سلطان کے متعلق بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے لاہور میں بہت سے ٹیکس جو غیر شرعی تھے موقوف کر دیے تھے اور یہ حکم صادر کیا تھا کہ مسلمانوں سے غیر شرعی خراج کے بجائے شرعی ٹیکس «عشر» وصول کیا جائے۔ (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، ص:۳۴)

سلطان معاصر علما و فقہا کی اس درجہ قدر دانی کرتے تھے کہ

انھیں خصوصی انعام و اکرام سے نوازتے تھے جیسا کہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ: «ائمہ و علماے دین کہ نگین خاتم شریعت اند بلطف اعزاز نواخت۔» (تاج المآثر، ص:۴۴۶)

ترجمہ: ائمہ اور علماے دین کو جو شریعت کی انگوٹھی کے نگینے ہیں، اپنی مہربانی سے نوازا۔

"لباب الالباب" میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ «سلطان قطب الدین ایبک کے دست سخاوت نے فقہا کو فکر معاش سے آزاد کر دیا تھا۔» (لباب الالباب اول، ص:۲۰۳)

معاصر مورخ فخر مدبر نے سلطان کے داد و دہش کا تذکرہ یوں کیا ہے: «ادراراتے و مشاہراتے کہ مستحقان از اہل علم و فقہ و قراءت و زہد و مصلحان داشتند آں ہم برحال داشتن فرمود و مبلغ خطیر از زر و غلہ از خاص خویش بفرمود بنام مستحقان و درویشان و بیوگاں و یتیماں صدقہ فرمود۔» (تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، ص:۳۵)

ترجمہ: روزینہ و مشاہرہ کے طور پر مستحقین یعنی علما و فقہا، قاریوں، زاہدوں اور مصلحوں کو جو کچھ دیا جاتا تھا اس کے جاری رکھنے کا حکم دیا اور بہت بڑی رقم سونا اور غلہ خود اپنے پاس سے دیا تاکہ مستحقوں میں تقسیم کیا جائے اور کچھ روپیہ سونے کی قسم سے مستحقوں، درویشوں، بیواؤں اور یتیموں میں صدقہ کے طور پر بانٹا۔

مصاحب علما: اس عہد کے بہت سے علما و فقہا خاص طور پر لاہور اور غزنین کے علما سلطان کے ہم نشیں رہے، ان میں سے قاضی حمید الدین افتخار علی بن عمر المحمودی، فخر مدبر، صدر الدین حسن نظامی اور مولانا بہاء الدین اوشی قابل ذکر ہیں۔
(سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ص:۹۵)

سلطان شمس الدین التمش: سلطان شمس الدین التمش نے ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء تا ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء تقریباً پچیس سال تک انتہائی شان و شوکت کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی۔ ان کا یہ عہد حکومت تاریخ ہند میں جہاں ایک طرف ایک امتیازی شان رکھتا ہے، وہاں دوسری جانب مذہبی اور علمی اعتبار سے بھی حد درجہ روشن و تابناک ہے۔ ہندوستان میں اسلامی ثقافتی و تہذیبی اداروں کی داغ بیل اور ان کا عروج و ارتقا سلطان کی ہی کوششوں کا رہین منت ہے۔ حوض شمسی اور قطب مینار محض تعمیری کارنامے نہیں تھے بلکہ وہ زبردست تہذیبی نشانیاں تھیں جو اسلامی تمدن کے ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان کر رہی تھیں، جس کے پس پردہ عزم جہاں بانی کے ساتھ ساتھ فرائض دینی اور خدمتِ خلق کے بے پناہ جذبات کار فرما تھے۔ شرع مطہر کا حد درجہ احترام کرنے اور علما و مشائخ سے والہانہ عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ آنے والی سطور میں ان کے احترام شرع، علما و مشائخ سے عقیدے اور ان کی عبادت و ریاضت پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

نماز کی پابندی: سلطان نہایت پابندی کے ساتھ پنج وقتہ نمازیں ادا کرتے تھے، صاحب "طبقات اکبری" نے ان کی طاعت و عبادت کے متعلق لکھا ہے:

«سلطان شمس الدین بر طاعت و عبادت مولع بود و روزہاے جمعہ بمسجد رفتے و بہ اداے فرائض و نوافل قیام نمودے»
(طبقات اکبری: ۱/۶۳)

ترجمہ: سلطان شمس الدین طاعت و عبادت کی بڑی لگن رکھتے تھے جمعہ کے دن مسجد جاتے تھے اور فرائض و نوافل کی ادائیگی کے لیے وہاں قیام کرتے تھے۔

سلطان کی پابندیِ نماز کا بخوبی اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد جب ان کی وصیت میں بتائی گئی خصوصیات کا حامل کوئی شخص نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے نہیں ملا تو سلطان ہی نے آگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس واقعے کی قدرے تفصیل یوں ہے:

۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء کو حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب جنازہ نماز کے لیے لایا گیا تو خواجہ ابو سعید نے اعلان کیا:

«حضرت خواجہ وصیت کردہ بود کہ امام جنازہ آں کس باشد کہ گاہے از بہدس حرام نکشادہ باشد و سنت ہاے عصر و تکبیر اولیٰ فرائض نماز گاہے از و ترک نشدہ باشد» (خزینۃ الاصفیا، جلد اول، ص:۲۷۵)

ترجمہ: حضرت خواجہ نے وصیت کی تھی کہ ہمار جنازہ کا امام ایسا شخص ہو جو متقی و پرہیز گار رہا ہو، عصر کی سنتیں اور فرائض نماز کی ادائیگی میں تکبیر اولیٰ کبھی اس سے ترک نہ ہوئی ہو۔

اعلان کے بعد کچھ دیر انتظار کیا گیا کہ کوئی ایسا شخص جو ان خصوصیات کا حامل ہو نکلے اور نمازِ جنازہ پڑھا دے۔ جب کوئی نہیں نکلا تو سلطان شمس الدین التمش یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اپنی نمازوں کی اس طرح نمائش کروں لیکن بہر حال قطب

صاحب کے حکم کی تعمیل لازم ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے کاندھوں پر جنازہ قبرستان تک لے گئے۔ (ایضا)

مذکور ہے کہ وہ تزکیۂ باطن کی خاطر ریاضت و مجاہدہ بھی کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ تمام رات بارگاہِ الٰہی میں سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے، چناں چہ محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

«شبہا بیدار بودے و ہیچ کس را بیدار نہ کردے»

(فوائد الفواد، ص: ۲۱۳)

ترجمہ: وہ راتوں کو جاگتا تھا اور کسی کو بیدار نہیں کرتا تھا۔

سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات میں "فوائد السالکین" کے حوالے سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کا ایک بیان درج ہے جس سے سلطان کی شب بیداری کا تفصیلی حال معلوم ہوتا ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

«وہ (سلطان التمش) حد سے زیادہ صاحب اعتقاد تھا، تمام رات جاگتا تھا، کسی نے اس کو کبھی سوتے ہوئے نہیں دیکھا، جب دیکھا عالمِ تحیر میں کھڑا ہوا دیکھا، اگر کبھی آنکھ لگ جاتی تو اسی وقت گھبرا کر بیدار ہو جاتا، اٹھ کر خود پانی بھرتا، وضو کرتا، مصلّی پر بیٹھ جاتا اور کبھی کسی خدمت گار کو نہیں جگاتا تھا کہ جو لوگ آرام میں ہیں ان کو کیوں زحمت دوں۔»

سلطان شمس الدین التمش کی اس قدر پابندیِ نماز اور شب بیداری سے ان کے احترامِ شرع کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، اس لیے اس پہلو پر تبصرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ ذیل کے سطور میں علما و مشائخ کرام سے ان کے تعلقات و روابط پر مختصر اً روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

علما و مشائخ سے وابستگی: سلطان معاصر علما و مشائخ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور ان سے اکتسابِ فیض کو حد درجہ سعادت و خوش بختی تصور کرتے تھے۔ خاص طور پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی، محبوبِ الٰہی حضرت نظام الدین اولیا، حضرت قاضی حمید الدین ناگوری، حضرت شیخ نجیب الدین نخشبی، حضرت قاضی قطب الدین کاشانی، حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی اور حضرت سید محمد صغری بلگرامی علیہم الرحمۃ والرضوان سے ان کو بڑی عقیدت و محبت تھی۔ معاصر مورخوں نے مذکورہ تمام بزرگوں کے ساتھ سلطان التمش کے تفصیلی روابط کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مختصر بیان بھی ایک تفصیلی مضمون کا متقاضی ہے، اس لیے سر دست صرف خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ ان کے روابط کے بیان پر اکتفا کیا جا رہا ہے، کیوں کہ بعض تذکرہ نگاروں نے سلطان کو ان کے مریدوں میں شمار کیا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ سلطان کے روابط: سلطان کو آپ سے بڑی عقیدت و محبت تھی، مذکور ہے کہ «جب حضرت خواجہ قطب الدین تشریف لائے تو سلطان نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور ان کی بارگاہ میں عریضہ پیش کیا کہ آپ شاہی محل کے قریب ہی قیام فرمائیں، لیکن انھوں نے یہ درخواست قبول نہیں کی اور دوسری جگہ قیام کرنا پسند فرمایا تو سلطان نے ہفتہ میں دو مرتبہ ان کی قیام گاہ پر حاضر ہونا اپنا معمول بنالیا۔»

حضرت مولانا جلال الدین محمد بسطامی کے انتقال پر سلطان التمش نے شیخ الاسلام کا عہدہ حضرت خواجہ قطب الدین علیہ الرحمہ کو پیش کیا تھا، جب انھوں نے معذرت کر لی تو مولانا نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ صغریٰ صاحب بڑے مغرور واقع ہوئے تھے، اس لیے حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ کی مقبولیت سے وہ ذہنی اذیت اور قلبی بے چینی میں مبتلا ہو گئے اور ان کو ایذا پہنچانے کی فکر میں رہنے لگے۔ ایک مرتبہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ دہلی تشریف لائے۔ جب انھیں صغریٰ صاحب کی معاندانہ حرکتوں کے بارے میں معلوم ہوا تو بڑے رنجیدہ خاطر ہوئے اور حضرت قطب الدین علیہ الرحمہ کو اپنے ساتھ لے کر اجمیر کی طرف چل دیے۔ سلطان کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو ہزاروں عقیدت مندوں کے ساتھ ان دو بزرگوں کے پیچھے پیچھے کئی میل تک گئے۔ حضور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ نے جب سلطان اور عقیدت مندوں کو اس قدر پریشان دیکھا تو حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کو حکم دیا کہ دہلی میں قیام کریں۔ اس اجازت کے بعد سلطان نے فرطِ مسرت میں حضرت خواجہ اجمیری کے قدم چوم لیے اور حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمہ کو دہلی واپس لے آئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین علیہ الرحمہ کے...... (باقی، ص: ۴۴ پر)

بزمِ دانش — **فکر و نظر** — **مستقل کالم**

ملحق مدارس میں رشوت کی گرم بازاری

"**بزمِ دانش**" میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ **از: مبارک حسین مصباحی**

نومبر ۲۰۱۰ء کا عنوان	اسلامی صحافت کے لازمی تقاضے
دسمبر ۲۰۱۰ء کا عنوان	بابری مسجد ملکیت مقدمہ کا فیصلہ: آستھا، انصاف یا سیاست؟

رشوت کی گرم بازاری نے مدارس کے تعلیمی ماحول کو خراب کر دیا ہے

از: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف،

اس بار ماہ نامہ اشرفیہ کی "بزمِ دانش" کے لیے منتخب کیا گیا عنوان بڑا احساس اور توجہ طلب ہے۔ یقیناً ملحق مدارس میں رشوت کی گرم بازاری اپنے عروج پر ہے۔ اس بازارِ رشوت میں اچھال ہی اچھال ہے، گراوٹ کی نوبت کبھی بھی نہیں آتی۔ ابھی حال ہی میں اتر پردیش گورنمنٹ کے ذریعہ ۱۰۰ ار مدارس کو ایڈ لسٹ پر لیے جانے کے بعد مدارس کے منتظمین اور اساتذہ کے درمیان جس طرح کی سودے بازیاں ہوئیں اور رشوت کے لین دین میں جس طرح کی مقابلہ آرائی کا ماحول قائم کیا گیا، اسے دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ اسلامی مدارس ہیں، جہاں شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور انھیں دین و مذہب کا محافظ قلعہ بھی کہا جاتا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں رشوت لینا اور دینا دونوں ہی عظیم ترین گناہ ہیں۔ اس فعل قبیح کے مرتکب کو نبی کریم ﷺ نے سخت خطاکار اور عذابِ الٰہی کا سزاوار قرار دیا، حدیث پاک میں فرمایا گیا: "الراشی والمرتشی کلاھما فی النار" (الحدیث) باوقار اساتذہ مدارس نبی کریم ﷺ کے اس فرمانِ عالی شان کو اپنی درس گاہوں میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ اس لیے اس نص کے اطلاق و تخصیص اور اس کے رموز و اسرار سے بخوبی واقف ہوں گے۔

رشوت کی گرم بازاری نے مدارسِ اسلامیہ کے تعلیمی ماحول، طلبہ کے مستقبل اور خود ان اسلامی تعلیم گاہوں کے تشخص و بقا کے تئیں کئی طرح کے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ ملحق مدارس میں اساتذہ کی تقرری کے سلسلے میں جو بے راہ رویاں رواج پا رہی ہیں، اس کا سب سے بڑا اور سیدھا اثر مدارس کے تعلیمی ماحول پر پڑ رہا ہے۔ چوں کہ رشوت کے بل بوتے پر بعض ایسے اساتذہ کی تقرری ہو جاتی ہے جن کے پاس علم و لیاقت کے نام پر اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کی «سستی سند» کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ درسِ نظامی کی منتہی کتابیں تو درکنار ابتدائی کتابوں کی تدریس کا شعور بھی نہیں رکھتے اور بعض تو ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں درس نظامی کی کتابوں کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی ہوتی ہے۔ ایسے افراد سے ادارے کی تعلیمی ترقی اور طلبہ کے مستقبل کے حوالے سے کس طرح کی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

بعض باصلاحیت اور ذی علم اساتذہ جو اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے بھاری رشوت ادا کر کے کسی بھی قیمت پر ایسے مدارس میں

ملازمت حاصل کر لیتے ہیں، وہ اپنا پورا سرمایہ اور پراپرٹی (Property) ملازمت کے حصول میں گنوا دینے کے بعد مکمل طور پر پروفیشنل (Professional) ہو جاتے ہیں۔ ان کے اندر ادارے کے تئیں وہ اخلاص و ایثار نہیں ہوتا جو ایک کامیاب استاذ کے اندر ہونا چاہیے۔ دوسری طرف انتظامیہ بھی ایسے اساتذہ کو محض اپنے ادارے کا ملازم اور ادارے کو تجارت کی بہترین فیکٹری تصور کرتے ہیں۔ ایک دینی و مذہبی ادارے کو تعلیم و تعلم کی شاہ راہ پر رواں دواں رکھنے اور دینی تعلیم کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دینے کے لیے اساتذہ اور انتظامیہ کے درمیان جو باہمی اخلاص، جذبۂ ایثار اور ادارے سے قلبی لگاؤ ہونا چاہیے، وہ یکسر مفقود ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ایک فاضل دوست جو حال ہی میں بر سر ملازمت ہوئے ہیں، نے بڑے افسوس ناک لہجے میں بتایا کہ ہمارے ادارے میں ماہِ شوال کے اختتام تک صرف پندرہ یا بیس طلبہ کی آمد ہو سکی ہے، لیکن مدرسے میں ان چند طلبہ کے خورد و نوش کے لیے بھی بجٹ نہیں ہے، جب کہ ابھی ڈیڑھ ماہ قبل پندرہ اسٹاف کی تقرری ہوئی ہے اور ان میں سے ہر ایک سے تقریباً تین تین لاکھ روپے وصول کیے گئے ہیں۔ مولانا کے اس حیرت ناک انکشاف کو سن کر میں تھوڑی دیر کے لیے سکتے میں پڑ گیا اور بر جستہ میری زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ۔۔۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

مدارس اسلامیہ کی یہ صورتِ حال نہایت افسوس ناک ہے۔ مدارس کے دینی و مذہبی تشخص کو بر قرار رکھنے اور نونہالانِ اسلام کے مستقبل کو مزید تاریک ہونے سے بچانے کے لیے اس صورتِ حال سے فوری طور پر نمٹنا ہوگا، جس کی واحد صورت یہی ہے کہ ان ملحق مدارس کے منتظمین کے ذہن و دماغ سے یہ خیال پورے طور پر نکال دیا جائے کہ مدارس حصولِ زر کا خوب صورت ذریعہ ہیں، ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر یہ باور کرایا جائے کہ آپ کے اس کردار سے مدارسِ اسلامیہ بدنام ہو رہے ہیں۔ خدارا! ان اسلامی قلعوں کو مزید بدنام ہونے سے بچایئے اور چند روزہ دنیا کے حصول کے لیے اپنی آخرت تباہ و برباد نہ کیجیے۔ اگر مدارس کے منتظمین کے دلوں میں خدا کا خوف اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو گیا تو سارے مسائل خود بہ خود حل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا سچا خادم بنائے۔

تعلیم گاہوں کو رشوت کا اڈہ نہ بنایا جائے

از: قاری نور الہدیٰ مصباحی، سعید العلوم، مہراج گنج [خصوصی رپورٹر روزنامہ راشٹریہ

کہا جاتا ہے کہ شیر اگر ایک بار انسان کا خون پی لے تو دوبارہ اسے دوسرے جانوروں کا خون اچھا نہیں لگتا وہ ہمیشہ انسانی خون کے ذائقے کا متلاشی رہتا ہے۔ آج کل کچھ یہی حال ملحق مدارس کے ذمہ داران کا ہے، جنھیں رشوت کا ذائقہ اتنا مرغوب ہو چکا ہے کہ اب انھیں حلال رزق اچھا ہی نہیں لگتا۔ آج ان مدارس کے ذمہ داران کا حال دیکھ کر صرف حیرت ہی نہیں ہوتی بلکہ سر پیٹنے کو دل چاہتا ہے کہ کل تک تو صرف وہ لوگ رشوت لیتے تھے جن کا تعلق کسی اور شعبے سے تھا، جنھیں حلال اور حرام میں تمیز نہیں تھی۔ مگر ان مدارس کے ذمہ داران تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمیں حلال و حرام کی تمیز نہیں ہے۔ کیوں کہ مدرسہ کھولنے کا مقصد صرف تعلیم و تربیت ہی نہیں ہے بلکہ اس کا سب سے اہم مقصد ہے تبلیغ دین، احکام شرعیہ پر عمل در آمد، خلافِ شرع امور سے اجتناب۔ پھر اگر یہاں رشوت کا بازار گرم ہو تو اسے قیامت کی نشانی ہی کہا جائے گا۔

ابھی دیکھیے حال ہی میں حکومت یو. پی. نے کچھ مدارس کو گرانٹ پر کیا لیا کہ ذمہ دارانِ مدارس کی چاندی ہو گئی ہے اور امیدواروں سے ترتیب وار شعبے کے اعتبار سے رشوت لی جا رہی ہے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فی کس ۵/ لاکھ سے ۹/ لاکھ روپے تک بلا جھجھک وصول کیا جا رہا ہے اور یہ غریب مولوی زمین، جائداد، زیور بیچ کر ہر حال میں نوکری حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ کئی امیدوار ایسے بھی ہیں جنھوں نے کئی سال قبل گرانٹ کے لالچ میں موٹی رقمیں دے رکھی ہیں۔ قرض لے کر رشوت دینے والے حضرات اب تک ہزاروں روپے سود دے چکے ہیں اور اس پر بھی انھیں یقین نہیں کہ ذمہ دارانِ مدارس ان کا کام کرا ہی دیں گے۔ عام طور پر ایک مدرسہ میں کل پندرہ مدرسین و ملازمین کی تقرری کا آرڈر ہوتا ہے۔ لیکن ملحق مدارس کے ذمہ داران نے تیس سے لے کر چالیس پینتالیس لوگوں کو لالچ دے کر رشوت لے رکھی ہے۔

یقین مانیں کہ اتنی رشوت تو وہ افسران بھی طلب نہیں کرتے جو اعلیٰ عہدوں پر ہیں اور ابتدا سے انھیں اس کی عادت ہے۔ ان مدارس کے ذمہ داران نے ہر شعبہ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپ بتائیں ایسی بدترین صورتِ حال میں ان غریب علما کا کیا حال ہوگا جنھوں نے بڑی عرق ریزی سے تعلیم حاصل کی ہے۔ اگرچہ ان کے پاس علوم کا خزانہ ہے، وہ صلاحیتوں کے پہاڑ ہیں، اعلیٰ اور امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی ہے، مگر ان کے پاس رشوت کی تھیلی نہیں تو پھر کون انھیں پوچھے گا؟ کون انھیں اپنے ادارے کا مدرس بنائے گا؟ کون ان کی غربت پر ترس کھائے گا؟ یقین مانیں ابھی سو مدارس گرانٹ پر آئے ہیں، ان میں آپ تلاش کریں، شاید ایک آدھ مدرس ایسے آپ کو مل جائیں جنھیں بغیر رشوت کے رکھا گیا ہو۔ ظاہر ہے ایسے مدارس میں آپ کو گنے چنے ہی ایسے علما مل سکیں گے جو تعلیم و تعلم کے اہل ہوں۔ اور پھر اتنی رشوت دے کر پڑھانے اور دین کی خدمت کرنے کا جذبہ کس کو ہوگا۔ یہاں تعلیم اور اسلام نہیں بلکہ صرف پیسوں کی بات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے ایک ملنے والے تجربہ کار حضرت کہا کرتے ہیں کہ اگر «حکومتِ ہند کو یہ معلوم ہو جائے کہ امداد یافتہ مدارس سے خود اسلام کا اتنا شدید نقصان ہے تو ہر مدرسہ کو فوراً گرانٹ پر لے لے۔»

اور ایسا نہیں ہے کہ یہاں تقرر کے لیے رشوت صرف ذمہ دارانِ مدارس ہی لے کر بس کر دیتے ہیں، بلکہ ان مدرسوں کے ملازمین کو ریٹائر ہونے کے بعد تک رشوت دینے سے فرصت نہیں۔ یہاں تو ابتدا تا انتہا رشوت ہی کی باغ و بہار ہے۔ آپ نے کوئی مدرسہ کھولا، رجسٹریشن کرانا ہو رشوت، ملحق کرانا ہو رشوت اور اگر گرانٹ پر آنے کی امید ہو تو سب سے زیادہ رشوت۔ تنخواہ پاس کرانا ہو، فکسیشن کرانا ہو یا پھر ایریر نکالنا ہو تو رشوت بلکہ ایریر میں تو کلرکوں کے ذریعہ فی صد کے حساب سے کام کرانے کا سودا طے کیا جاتا ہے۔ حتی کہ بچوں کا وظیفہ لینا ہو، اس میں بھی رشوت۔ گویا یہ تعلیم گاہیں نہیں بلکہ رشوت کے اڈے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ضلع کے اقلیتی آفیسر نے اپنے کچھ دلال رکھے ہیں جو رجسٹریشن، فکسیشن، ایریر، وظیفہ اور تنخواہ پاس کرانے کے نام پر رشوت لینے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔ بلکہ بعض ضلعوں میں تو دلالوں کے ذریعہ باقاعدہ پرائیویٹ اقلیتی دفتر کھول کر چلایا جا رہا ہے۔ اس مبینہ دفتر میں ڈی. ایم.، ایس. ڈی. ایم.، ایس. پی.، رجسٹرار اور ڈی. ایم. او. سے لے کر پرنسپل سکریٹری حکومت ہند تک کی ربر مہر آپ پا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ضلع گورکھپور میں گزشتہ برس کوتوالی تھانہ حلقہ کی پولیس نے ایک شخص کے گھر سے تقریباً ۲۳۴ فرضی مہر جو اعلیٰ افسران کے نام سے بنوائی گئی تھی، بر آمد کر کے اس جعل ساز کو گرفتار کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ پہلے وہ اقلیتی دفتر میں ہی رہ کر ایک سے ایک کارنامہ انجام دے چکا ہے۔ صرف پورو انچل میں ایسے ایسے مدرسہ مافیا ہیں جو صرف کاغذات میں کئی کئی مدرسے چلوا کر اقلیتوں کے نام پر ملنے والی مراعات کو ہضم کر رہے ہیں۔ چند سکوں کے لالچ میں کچھ لوگوں کا ضمیر اتنا مردہ ہو چکا ہے کہ وہ شِشو مندر تک کو مدرسہ اسلامیہ یا دار العلوم اسلامیہ کے نام سے رجسٹریشن کرا کر اس کو حکومت سے منظوری تک دلوا دے رہے ہیں۔ مدرسہ مافیاؤں کا دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ کوئی بھی کام رجسٹرار یا ڈائریکٹر سے جس طرح چاہیں کرا سکتے ہیں۔ ایسے بھی ضلع اقلیتی افسران آپ کو ملیں گے جن کا ایک ایک مکان ۲/ کروڑ سے لے کر ۴/ کروڑ روپے تک کی لاگت سے بنوایا گیا ہے۔ ان کے پاس چار پہیہ ایک نہیں چار چار گاڑیاں ہیں، ان کے پاس اتنے پیسے آخر کہاں سے آ رہے ہیں؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تنخواہیں ۲۵/ سے لے کر ۳۰/ ہزار روپے تک ہوتی ہیں۔ جس وقت پانچویں تنخواہ کمیشن کے تعلق سے تنخواہ فکسیشن کرانے کی بات ہو رہی تھی تو اس وقت مہراج گنج ضلع کے اکاؤنٹ دفتر سے فرمان جاری ہوا۔ مذکورہ فکسیشن میں ضلع کے ۱۳/ امداد یافتہ مدارس سے کل چھ لاکھ روپے وصولنے کی بات طے ہو گئی۔ دلال حضرات نے مدرسوں سے رابطہ کرنا شروع کر دیا۔ مگر اسی درمیان نمائندہ روزنامہ راشٹریہ سہارا نے ضلع مجسٹریٹ سے بیان لے کر لکشمی پور سے ایک بے باک انداز میں خبر شائع کرا دی اس کا اثر یہ ہوا کہ متعلقہ دفتر کے کلرکوں کو آفس چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور پھر دو دو سو روپے میں لوگوں نے فکسیشن کرایا۔ نہایت افسوس ناک بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی مدرس کا دورانِ سروس انتقال ہو جاتا ہے تو اس کی بیوہ اور ننھے منے بچوں کو پنشن جاری کرانے کے لیے یا جی. پی. ایف. کی رقم نکلوانے کے لیے بھی رشوت دینا پڑتی ہے۔ ضلع میں کچھ ایسے متاثرہ افراد بھی آپ کو ملیں گے کہ دس برس ہو گئے۔ رشوت نہ دینے کی صورت میں ابھی تک ان کا کام لٹکا ہوا ہے۔ دورانِ سروس انتقال کرنے والے مدرس کے وارثین میں اس کی جگہ پر کسی کو نوکری بھی نہیں ملتی۔

ایک ضلع کے اقلیتی افسر نے نام نہ شائع کرنے کی شرط پر بتایا کہ کچھ کلرک حضرات خود ہی تمام معاملات طے کر کے اس میں ہمیں اپنا حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ مدارس کے اساتذہ وطلبہ کا استحصال اس وقت ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے۔ جیسے جیسے رشوت خوری کا بازار گرم ہو رہا ہے اساتذہ بھی اپنی تنخواہیں جوڑنے اور گھٹانے کی دھن میں ہمہ وقت لگے رہتے ہیں۔ تعلیم پر اس کا بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔

رشوت خور افسران اور ذمہ داران پر لگام کسنے کے لیے بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارس عربیہ اتر پردیش کو مضبوط اور فعال بنا کر اس کے ذریعہ کام کرایا جائے۔ تمام اضلاع میں متحرک اور فعال ومخلص اساتذہ کو ہی اس کی اہم ذمہ داری سونپی جائے۔ فی الحال بیش تر اضلاع میں مذکورہ تنظیم کو ٹیچرس ایسوسی ایشن نہیں بلکہ پرنسپل ایسوسی ایشن بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ فراڈی لوگ تو قطعی اس میں جڑنے نہ پائیں۔

خیال رہے کہ ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارسِ عربیہ کا ساتھ شکشک سنگھ کے لوگ بھی دیتے ہیں، اگر آپسی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم چاہیں تو بڑے سے بڑا کام بھی فری میں کرا سکتے ہیں۔ جیسا کہ پرائمری اسکول والے ایک ضلعی تنظیم بنا کر جس افسر کی ناک میں جب چاہتے ہیں دم کر دیتے ہیں اور اپنی بات تسلیم کرا کے ہی دم لیتے ہیں۔ جب ایک چھوٹی سی خبر چھپنے پر لاکھوں کا کام مفت میں ہو سکتا ہے تو ہزاروں علما کی بات کو کون ٹال سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جب ٹیچرس ایسوسی ایشن مدارسِ عربیہ کے جنرل سکریٹری مولانا الحاج دیوان صاحب زماں سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اعتراف کیا کہ اور محکموں کی بہ نسبت مدارس کے اساتذہ کا زیادہ استحصال ہوتا ہے۔ مدرسہ انتظامیہ ہو یا متعلقہ افسران سبھی انھیں پریشان کرتے ہیں۔ مسٹر زماں نے مزید بتایا کہ جہاں تک ہماری کوشش ہوتی ہے اساتذہ کے حقوق کی لڑائی ہم لڑتے رہتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ اگر ہمارے ضلعی عہدے داران مستعدی کے ساتھ خلوص کا دامن تھامے ہوئے کام کریں تو کوئی کام نہیں رک سکتا۔ موصوف نے کہا کہ اگر کوئی ضلعی افسر من مانی کر رہا ہے تو اس کی شکایت ایڈہاک کمیٹی سے کریں، اعلیٰ حکام کے ذریعہ اس پر سخت ترین کارروائی کرائی جائے گی۔

رشوت لینے والے مدارس کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے

از: مولانا محمد عابد چشتی

اس دور کو لوگ برائیوں کے عروج کا دور کہتے ہیں، چوری، زنا، بے حیائی وغیرہ ہر برائی ترقی پذیر ہے۔ مگر ان سب کی دوڑ میں رشوت خوری سب سے آگے ہے۔ رشوت خوری معاشرہ کا ایسا ناسور بن چکی ہے جس سے ابرنا محال نہ سہی، مشکل ضرور ہے۔ کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو رشوت کی آلوگی سے پاک ہو۔ صنعت وحرفت، ملازمت یا پھر قانون کے ذریعہ اپنا حق حاصل کرنے کا مسئلہ، ہر جگہ رشوت کی کرشمہ سازی ہے۔ ہم اسے ہوس پرستوں، مال کے دل دادہ اور دنیا طلب لوگوں کی عادت کہہ سکتے ہیں، مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کی پاکیزہ زمینوں پر بھی رشوت کا ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ جن مدارس کی دیواروں سے «الراشی المرتشی کلاهما فی النار» کی صدائیں شب وروز سنی جا سکتی ہیں، جہاں رشوت کی بیخ کنی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے، ان مدارس کے حدود میں بھی رشوت ستانی جیسی برائی کی جڑیں مضبوط ہوتی جا رہی ہیں اور یہ مسئلہ اتنا سنگین ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ بنتا جا رہا ہے۔ اس کی سنگینی ہی کا اثر ہے کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے اربابِ حل وعقد نے اس کو بحث کی میز پر رکھا تا کہ اس کے بڑھتے ہوئے دائرے کو سمیٹنے کی تدبیر کی جا سکے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ رشوت ہر شعبہ میں اپنے پیر پھیلا چکی ہے مگر ابھی کچھ سالوں سے مدارس مین رشوت خوری کا بازار کچھ زیادہ ہی گرم چل رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے مدرسوں کو سونے کا انڈا دینے والی مرغی سمجھ رکھا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ راتوں رات سرمایہ دار ہونا چاہتے ہیں۔ دولت کے خمار میں انھیں نہ مسلمانوں کی مالی حالت کا خیال ہے اور نہ تعلیمی انحطاط کی کوئی فکر۔ مگر سوال صرف رشوت کی گرم بازاری کا نہیں ہے۔ سوال ہے اس کے نتیجے میں آنے والے مستقبل کا اور یہ بڑا تشویش طلب پہلو ہے۔ آپ دیکھیں کہ ایک مدرس کی تقرری کے لیے بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کا خیال رکھنا ایک معیاری مدرسہ کے لیے ناگزیر ہے۔ مگر آپ کی صلاحیت کتنی ہے،

قابلیت کا معیار کتنا ہے، آپ تعلیم کے گراف کو بڑھانے کے لیے کس حد تک معاون ہو سکتے ہیں۔ ناظمین مدرسہ کو ان سب باتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ بس تین چار سات لاکھ روپے بھر دیجیے، آپ کی تقرری پکی ہے۔ انجام کار ایسے سند یافتہ لوگوں کا تقرر ہو جاتا ہے، جنھیں درس وتدریس کی ہوا تک نہیں لگی ہو، خود میری معلومات میں ایسے مدارس ہیں جن کے پرنسپل کوئی عالم نہ ہو کر جنٹل مین، فاسق اور شریعت سے بے بہرہ اشخاص ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ علم کے ایوانوں میں جاہلوں کی یہی پذیرائی رہی تو وہ دن دور نہیں جب مدارس کا تعلیمی معیار گھٹتے گھٹتے اپنے آخری نقطے کو پہنچ جائے۔ اگر کچھ لوگ اپنے مدارس کو ملحق کرانا شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی فکری درماندگی نہیں ہے، بلکہ ان مدارس کی تعلیمی بربادی کا منظر ہے جو ملحق ہونے سے پہلے کافی معیاری تھے۔ اسی دولت کی ہوس کا نتیجہ ہے کہ آپ ابھی بھی سرکاری لسٹ میں ایسے مدارس دیکھ سکتے ہیں جن کا وجود خارجی اس عالم احساسات میں نہیں ہے صرف اور صرف کاغذات پر ان مدارس کا سنگ بنیاد رکھا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کے عزائم کو طشت از بام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے کارنامے ان کی نیتوں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ رشوت کی تباہ کاریوں کو اگر شمار کیا جائے تو شاید ہی اس کے تسلسل کی ڈور کہیں جا کر ٹوٹے۔ لہٰذا ہمیں حالات سے سمجھوتا کر کے اس کے انسداد کی تدبیر کرنی ہوگی۔ ورنہ آئندہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کچھ اور ہی منظر نامہ پیش کرے گی۔

مدارس میں ہونے والی رشوت ستانی کو ذیل کے دو طریقے کافی حد تک ختم کرنے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

[۱] دراصل ہمارے اکثر مدارس کے نظم ونسق کو چلانے والی کمیٹیاں ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہیں جو دین سے بے بہرہ ہوتے ہیں، نہ شریعت کا درد، نہ دین کی تڑپ اور نہ مسلمانوں کے غلبے کی فکر انھیں دامن گیر ہوتی ہے۔ ناظم اعلیٰ ایسے اشخاص منتخب ہوتے ہیں جنھیں اتنی خبر نہیں ہوتی کہ مدرسہ کے حق میں کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ جو خود اپنے بچوں کو مدرسہ میں پڑھانا فرسودہ خیالی سمجھتے ہیں ایسے لوگ مدرسہ کے ملحق ہونے کی صورت میں رشوت لینا اپنا ذاتی حق سمجھتے ہیں کہ اتنے سالوں سے ہم تگ ودو کر رہے ہیں، ہمیں کچھ بھی نہیں ملے گا؟ لہٰذا سب سے پہلے کمیٹی کو ایسے افراد سے دور رکھا جائے، بلکہ اس کا صیغہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اسلام وسنیت سے دل چسپی رکھیں۔ خود علم دوست ہوں، مدرسہ کے تقاضوں سے بھرپور واقفیت رکھتے ہوں اور تعلیمی ترقی جن کا مطمح نظر ہو۔ ایسے ہی لوگ رشوت کے لالچ میں نہ پڑ کر باصلاحیت مدرسین کی تقرری کو ترجیح دے کر حق کو حق دار تک پہنچائیں گے۔ رشوت کی گرم بازاری میں جاہل ناظموں کی گل افشانیاں زیادہ دخیل ہیں۔

[۲] کوئی بھی مدرسہ ہو، ملحق ہونے سے پہلے اور ملحق ہونے کے بعد بھی وہ عوامی تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی گاڑی چلنا نہایت دشوار ہے۔ اس لیے کہ اس کا سفر نامعلوم مدت تک ہوتا ہے۔ چند افراد یا جماعت ہمیشہ اس کا بار نہیں سنبھال سکتے۔ اگر یہی عوام رشوت کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو ایک حد تک رشوت کو روکا جا سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ عوام میں رشوت کے خلاف بیداری لائی جائے۔ عوام کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے تو حالات سنبھل سکتے ہیں۔ وہ یوں کہ جس علاقے کے تحت وہ مدرسہ آتا ہے، وہاں کے موثر اور باوقار حضرات اجتماعی طور پر کمیٹی کے افراد کو خبردار کر دیں کہ آپ حضرات تقرری کے سلسلے میں کسی قسم کی رشوت کا مطالبہ نہ کریں۔ اچھے افراد کا انتخاب کریں، بصورتِ دیگر مدرسہ کا سماجی بائیکاٹ کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ علاقے کے عوام کی ناراضی کی صورت میں ظاہر ہونے والے نتائج اتنے سہل نہیں ہیں کہ مدرسہ والوں کو رشوت کے سلسلے میں ایک بار سوچنے پر مجبور نہ کریں، باقی قانونی چارہ جوئی سے بھی کنٹرول کی صورت نکل سکتی ہے۔

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی
مفسرین	:	محدث اعظم ہند/ شیخ الاسلام مدنی میاں
صفحات	:	جلد اول ۴۴۸/ جلد دوم ۴۲۸
ناشر	:	شیخ الاسلام ٹرسٹ احمد آباد
مبصر	:	محمد قطب الدین رضا مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

قرآن کریم اللہ رب العزت کا مقدس اور آخری کلام ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی یہ منفرد کتاب ہے۔ متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور تفسیریں لکھی گئیں۔ اردو زبان میں بھی بڑے نادر ترجمے اور شاہ کار تفسیریں موجود ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ نے قرآن کریم کا ایک شاہ کار ترجمہ کیا، جس کے ابتدائی حصہ کو دیکھ کر مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔ ۲۸ر سال میں ترجمہ قرآن کی تکمیل کے بعد حضرت محدث اعظم نے تفسیر لکھنے کا آغاز فرمایا۔ چوتھے پارے کی تفسیر زیر قلم تھی کہ آپ دارِ فنا کی طرف کوچ فرماگئے۔ ان پاروں میں صرف پہلے پارے کی تفسیر دستیاب ہو سکی۔ ادھر کئی سالوں سے شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی دامت برکاتہ نے اسی تفسیر کی تکمیل کا سلسلہ شروع فرمایا ہے جو یقیناً ایک عظیم کام ہے۔ حضرت محدث اعظم کے شروع کردہ کام کی تکمیل ہو گی، علم و ادب کا ایک عظیم ذخیرہ منصۂ شہود پر آئے گا۔ حضرت شیخ الاسلام نے دوسرے پارے سے اپنے تفسیری کام کا آغاز فرمایا ہے، جو اب تک چھٹے پارے تک پہنچ چکا ہے۔ میرے سامنے چھٹے پارے تک کی تفسیر دو جلدوں میں موجود ہے۔

یہ تفسیر، فن کی مختلف معتبر کتابوں کو پڑھنے کے بعد حاصل مطالعہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ کسی بھی مسئلے سے متعلق ائمۂ فن کی بحث پیش کیے بغیر محض نفس مفہوم پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر زیادہ زور تفہیم قرآن پر دیا گیا ہے اور متوسط درجہ کی علمی صلاحیت رکھنے والوں کے لیے قرآن فہمی کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں مضمونی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جن آیتوں کی تفسیر مقصود ہوتی ہے پہلے ان آیتوں کو ترجمہ کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ پھر مضمونی انداز میں ان کی تفسیر کر دی گئی ہے۔ دیگر تفسیروں میں آیاتِ قرآنی کے ساتھ ان کا ترجمہ ہوتا ہے اور پھر ترجمہ میں مناسب مقامات پر حاشیہ نمبر لکھ کر اس کی توضیح و تشریح کی جاتی ہے۔ اس طرح آیت کی وضاحت کے لیے پہلے ترجمہ کا مطالعہ لازمی ہوتا ہے۔ مگر یہاں تفسیر کے لیے ترجمہ کے الفاظ میں اپنے جملوں کی اس طرح آمیزش کی گئی ہے کہ مسلسل عبارت بنتی چلی گئی ہے اور تفسیر بھی تیار ہوتی رہی ہے۔ تفسیر میں ترجمہ کے الفاظ اس منفرد انداز سے پروئے گئے ہیں کہ بیش تر مقامات پر اس عمل کا احساس نہیں ہوتا۔ ترجمہ کے الفاظ کو اگر ہلالین سے خالی کر دیا جائے تو کسی طور پر اس عمل پیوند کاری کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ شہادت کے طور پر «وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا الخ» کی درج ذیل تفسیر پیش ہے:

«[اور اگر ہو] تم اے منکرو! کسی قسم کے [شک میں اس] قرآن کی طرف [سے جو اتارا] ہے [ہم نے اپنے خاص بندہ] محمد رسول اللہ ﷺ [پر] جو اپنے بندہ ہونے میں بے مثل و یکتا ہے، جس کی عبدیت تک دوسرے کی رسائی نہیں، [تو] پھر سامنے آؤ اور ذرا [لے] تو [آؤ] پورا قرآن نہیں بلکہ [بس ایک ہی سورت] فصاحت و بلاغت، حکمت و روحانیت، تقدیس و رفعت، غیب کی خبر دینے میں [اس] قرآن کی کسی سورت [کی طرح]، [اور] تمہاری جان اپنی طاقت سے یہ باہر ہو تو اس مشکل میں خوب [دہائی دو] اور معبود جان کر پکارو، فریاد کرو اور مدد مانگو [اپنے ساختہ] معبودوں [مددگاروں کی] جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے [اللہ کو چھوڑ کر]، اس معبودِ برحق کی معبودیت سے منحرف ہو کر [اگر] قرآن و رسول و معبود پر جب سے انکار کر دینے میں [تم ہو] اے دنیا بھر کے کافرو [سچے]۔» [ج:۱، ص:۷۷]

اس کتاب کے بعض مقامات کا تفصیلی اور بعض کا سرسری مطالعہ کرنے کی سعادت میسر آئی۔ دورانِ مطالعہ چند باتیں ذہن میں

آئیں جنھیں سپردِ قلم کیا جاتا ہے:

حضرت محدث اعظم کے ترجمہ میں اس دور (آج سے تقریباً پچاس سال پہلے) کی اردو کا استعمال ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الاسلام کی اردو رائج زبان کے موافق ہے۔ اس لیے اس مضمونی تفسیر کو پڑھتے ہوئے کچھ مقامات پر زبان رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، تسلسل باقی نہیں رہ پاتا۔ درج ذیل تفسیر کی عبارتیں پڑھیے:

«چناں چہ وہ نہر کے کنارے ہی پڑے رہ گئے، دشمن کے لشکر سے ملاقات تک نہ کی، اور ایک قول کے مطابق ان کے لشکر کے چھیاسٹھ ہزار آدمی نہر کے پار نہ اترے، اس میں سے صرف چار ہزار آدمی پار اترے تھے [پس جب پار کر لیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحبِ ایمان ساتھیوں نے] یعنی ان ساتھیوں نے جو حضرت طالوت کی بات مان چکے تھے تو وہ لوگ جو خلاف کر کے پار نہ اترے تھے یا چار ہزار آدمی جو پار اترے تھے، جب انھوں نے جالوت کا لشکر دیکھا تو ان میں سے تین ہزار سات سو ستاسی آدمی ڈر کر اور بے دل ہو کر [بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں] کہ [آج جالوت اور اس کے لشکروں کے] مد[مقابل] ہو کر اس سے لڑ سکیں۔» [ج:۱، ص:۳۰۲]

غور کیجیے! خطِ کشیدہ جملے ترجمہ کے ہیں، ان جملوں کو سیٹ کرنے کے لیے جو عبارت اس سے پہلے استعمال کی گئی ہے، وہ کتنی سلیس، شگفتہ اور آج کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ جو پچاس سالہ قدیم زبان ملا دی گئی ہے، اس سے، پہلی والی کیفیت کتنی متاثر ہوتی نظر آتی ہے۔

☆ کسی جملے کی وضاحت کبھی اس طور پر کر دی جاتی ہے کہ اس کا نفس مفہوم بھی اجاگر ہو جاتا ہے اور مسلسل عبارت بھی بن جاتی ہے۔ جیسے اسی تفسیر میں دیکھیں «قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ الخ» کو کس طرح واضح کیا گیا ہے:

«[ہم ملاحظہ کر رہے ہیں] اے محبوب [تمہارے چہرے کے بار بار اٹھنے کو] اور بار بار [آسمان کی طرف] تمہارے متوجہ ہونے کو اور ہم جان رہے ہیں کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی تمہاری دلی خواہش کو۔» [ج:۱، ص:۱۶۷]

غور کریں! یہاں ترجمہ کو پرو دینے کا کتنا نفیس انداز ہے۔ کسی طرح یہ آشکارا نہیں ہوتا کہ ترجمہ کے الفاظ میں اپنی عبارت جوڑ کر یہ تفسیر تیار کی گئی ہو اور ساتھ ہی «ہم جان رہے ہیں کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی تمہاری دلی خواہش کو» کے ذریعہ چہرے کے بار بار اٹھنے اور آسمان کی طرف متوجہ ہونے کی کتنی اچھی طرح وضاحت کر دی گئی کہ عبارت کا تسلسل پورے طور پر قائم رہا —— مگر ساتھ ہی کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں نظریں رک جاتی ہیں: «وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ» کی تفسیر میں:

«[اور بے شک ان] علمائے اہل کتاب [میں سے ایک] بڑا [گروہ] جس نے اسلام قبول نہیں کیا وہ حسد و عناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے [حق] نبی کے برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ [کو ضرور چھپاتا ہے] وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ [جانتے بوجھتے]» [ج:۱، ص:۱۷۱]

اس میں شک نہیں کہ اس تفسیر میں «حق» کے معنی و مراد کو پورے طور پر اجاگر کر دیا گیا ہے مگر «حق» اور اس کے بعد کی ترکیب کے درمیان ربط نہ ہونے کے سبب عبارت کا تسلسل ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح «وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ» کی تفسیر میں ہے:

«[اور نہیں ہے اللہ] تعالیٰ [بے خبر] لاعلم [تمہارے] کاموں [کیے عملوں سے]۔»

یہاں «بے خبر» کے بعد «لاعلم»، «کیے عملوں» سے پہلے «کاموں» کا اضافہ بے ربط معلوم ہوتا ہے۔

☆ حضور محدثِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی بہ نسبت حضرت شیخ الاسلام کی تفسیر کچھ لمبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر ہمیں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ ترجمہ کے الفاظ میں چند الفاظ کا اضافہ کر کے پرونے کا عمل مکمل کر لیا جاتا ہے۔ پھر الگ سے اپنی عبارت میں آیت کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔ جہاں تھوڑی دیر کے لیے حضرت مفسر اس تفسیر کے «انفرادی عمل» سے دور ہٹتے، محسوس ہوتے ہیں۔

☆ اس تفسیر کے مطالعہ کے دوران میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ پرونے کا یہ عمل اگر اس طور پر انجام دیا جائے کہ تفسیر پڑھتے وقت قاری پر یہ واضح ہوتا چلا جائے کہ تفسیر کے اندر استعمال ہونے والے ترجمہ کے الفاظ میں کون سا حصہ اپنے آگے یا پیچھے والی کس عبارت سے متعلق ہے؟ تو یہ بھی ایک امتیازی چیز ہوتی۔ اس تعلق سے

ایک جگہ ہمیں الجھن کا بھی شکار ہونا پڑا۔ دوسرے پارے کی آیت ہے:

« وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ »

اس کا ترجمہ حضرت محدث اعظم ہند نے یوں کیا ہے:

« اور اسی طرح کر دیا ہم نے تم کو بہتر امت تاکہ ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔»

اس ترجمہ میں « بہتر امت » کا تعلق ماقبل کے « کر دیا» سے ہے اور « تاکہ » اسی فعل کی علت ہے۔ تو پروتے وقت بھی اس کی رعایت ملحوظ ہونی چاہیے تاکہ قاری بہ آسانی یہ اندازہ لگا سکے کہ ترجمہ کا یہ حصہ اپنے ماقبل کی عبارت سے متعلق ہے، مگر کتاب میں اس کی تفسیر یوں پیش کی گئی ہے۔

«[اور اسی طرح] جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو سارے قبلوں پر فضیلت دے رکھی ہے [کر دیا ہم نے تم کو] عادل امتوں میں صدر نشیں، اپنے جملہ عقائد و نظریات اور اعمال و افعال میں معتدل، جن میں نہ افراط ہے نہ تفریط، نہ تم میں نصاریٰ کا غلو ہے جنھوں نے حضرت مسیح کو الوہیت سے موصوف کر دیا، اور نہ ہی یہودیوں کی تفریط و تقصیر، جنھوں نے معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگا دی اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو ناجائز بیٹا قرار دیا۔

الغرض، تمہارا قبلہ سارے قبلوں سے بہتر اور تم ساری امتوں میں برگزیدہ [بہتر امت تاکہ ہو جاؤ] روزِ قیامت انبیائے کرام کے [گواہ] الخ۔» [ج:۱، ص:۱۶۳]

یہاں آخری پیراگراف کو پڑھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ « بہتر امت » کا ربط کس سے ہے؟ اسی طرح آگے « تاکہ ہو جاؤ » کا مفہوم بھی اجاگر نہیں ہوتا کہ یہ کس کی علت ہے؟ ہاں! یہ اسی وقت اجاگر ہوگا جب کہ تفسیر سے پہلے ترجمہ کو بغور پڑھ لیا جائے جو کہ اس تفسیر کے انفرادی شان سے بہت الگ تھلگ چیز ہے۔

☆ حضرت شیخ الاسلام کی تفسیر میں الغرض، المختصر کا استعمال کثرت سے ملتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اپنی بات بیان کرتے ہوئے کہیں دور چلے جاتے ہیں، پھر جب ترجمہ کو عبارت میں سیٹ کرنے کا موقع آتا ہے تو ان الفاظ سے نفس مفہوم کو قریب کرنا پڑتا ہے۔

کتاب کی پیش کش بہت اچھی ہے۔ تزئین و تہذیب میں اعلیٰ ذوق کا استعمال ہوا ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں عرضِ ناشر کے تحت ناشرین کے جذبات و احساسات کا بیان ہے۔ محمد فخر الدین علوی صاحب کا ایک گراں قدر مقدمہ بھی شامل ہے، جس مین انھوں نے تفسیر سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اس « تفسیر اشرفی » کا مختصر تقابلی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ پھر محترم محمد مسعود احمد سہروردی کے قلم سے مختصر تذکرۂ حضور محدث اعظم ہند اور مختصر تذکرۂ شیخ الاسلام والمسلمین ہے۔ اس کے بعد « منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی » کے تحت حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کے بافیض کلمات ہیں، جن کے جملہ جملہ سے بزرگانہ شان ٹپکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ عاطفت ہم تمام لوگوں پر تادیر قائم رکھے اور اس علمی سلسلے کی تکمیل کی راہ کو آسان فرمائے۔ آمین۔

(ص:۶۳ کا بقیہ) اجمیر کے لیے روانہ ہونے کی خبر سے سلطان شمس الدین التمش اور اہالیانِ دہلی کی جو بے چینی تھی اس کو میر خورد نے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ « پس شیخ قطب الدین ہم راہ شیخ روانہ اجمیر گردید، ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد، ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال بر آمدند و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گزاشت خلائق خاکِ آں زمین بہ تبرک بر می داشت۔» (سیر الاولیا، ص:۵۴-۵۵)

ترجمہ: پس شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہم راہ اجمیر کی طرف روانہ ہوئے، اس بات سے تمام شہر دہلی میں ایک شور برپا ہو گیا۔ دہلی شہر کے تمام باشندے سلطان شمس الدین کے ہم راہ ان کے پیچھے روانہ ہوئے، جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس زمین کی خاک تبرک کے طور پر اٹھا کر رکھ لیتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ مشائخ کرام سے سلطان التمش کی جو عقیدت و محبت تھی اس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

در حجرۂ فقر بادشاہے — در عالم دل جہاں پناہے

شاہنشہے بے سریر و بے تاج — شاہانش بخاک پائے محتاج

منظومات

فردوسِ بطحا

یا الٰہی کاش ہم بھی شہرِ طیبہ دیکھتے
یعنی ان آنکھوں سے دربارِ مدینہ دیکھتے

اے خوشا وقتے کہ ہم فردوسِ بطحا دیکھتے
دور ہی سے گنبدِ خضرا کا جلوہ دیکھتے

وہ بہارِ چشمۂ زم زم وہ کعبہ کا طواف
کاش حج کے دور کا ہم بھی نظارہ دیکھتے

باغِ جنت کو تصور میں نہ ہم لاتے کبھی
اے نگاہِ شوق گر صحرائے طیبہ دیکھتے

دور ہو جاتی ہماری تشنہ کامیِ حیات
ایک بار اے کاش ہم زم زم کا چشمہ دیکھتے

جس کا دامن بن گیا ہے خوابگاہِ مصطفیٰ
اُس دیارِ پاک کا اک ایک ذرہ دیکھتے

پوچھ مت فاخر ہماری آرزوے دل کا حال
ہم اگر ہوتے تو وہاں تو جانے کیا کیا دیکھتے

فاخر جلال پوری

نعت رسول اکرم

نبی کی رہ گزر ہے اور میں ہوں — عجب احساسِ ڈر ہے اور میں ہوں
کسی کا کیا بھلا جاتا ہے آخر — مرا دل، تیرا در ہے اور میں، ہوں
حضوری کے لیے یہ دل ہے مضطر — نہ کچھ زادِ سفر ہے اور میں ہوں
زیارت کی تمناؤں میں کب سے — یہ میری چشمِ تر ہے اور میں ہوں
ہے خالی نامۂ اعمال میرا — حیاتِ مختصر ہے اور میں ہوں
خدا کے رو برو تیری رضا پر — ضمانت منحصر ہے اور میں ہوں
نہیں میں، مجھ سے ڈرتا ہے زمانہ — تری جب سے نظر ہے اور میں ہوں
ترے در کی حضوری کی یہ نسبت — بڑی ہی معتبر ہے اور میں ہوں
ملا مشکل سے ہے اذنِ حضوری — مدینے کا سفر ہے اور میں ہوں
میں سب کچھ چھوڑ آیا اپنے گھر میں — محمد کا نگر ہے اور میں ہوں
تری نسبت سے ڈرتا ہے زمانہ — تو میرا تاج ور ہے اور میں ہوں
دمِ آخر مرا محفوظ ایماں — تمہاری آس پر ہے اور میں ہوں
کرم ہو، ہے فریبِ دہر قاتل — جہانِ خیر و شر ہے اور میں ہوں
کہ اس نیرنگیِ تہذیبِ نو میں — فسادِ شر ہی شر ہے اور میں ہوں

سرِ محشر وصی کی لاج رکھنا
بھروسا آپ پر ہے اور میں ہوں

ڈاکٹر وصی مکرانی

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی۔

ماہنامہ اشرفیہ خوب سے خوب تر ہے

ماہنامہ اشرفیہ کے اگست اور ستمبر ۲۰۱۰ کے دو شمارے زیر نظر ہیں، جو گزشتہ شماروں کی بہ نسبت قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں۔ اگست کے شمارے میں جامعہ اشرفیہ کا تعاون کیوں اور کیسے کریں،، ؟ یہ ایک اہم مضمون ہے جسے اداریہ کی شکل دے دی گئی ہے۔ اس میں جامعہ کا مختصر تعارف بھی ہے اور آئندہ بروئے عمل لائے جانے والے بعض منصوبے بھی مثلا حافظ ملت ہاسپیٹل اور حافظ ملت طبیہ کالج اہمیت اور توجہ کے قابل ہیں ایک باضابطہ "مہمان خانے" کی بھی سخت ضرورت ہے کاش ارباب حل وعقد اس کی طرف توجہ فرماتے تو بڑا اچھا تھا، فکر امروز کے تحت "جدید علم کلام" پر مولانا محمد اسحق صاحب مصباحی مسلسل لکھ رہے ہیں اور بڑے اہم گوشوں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ امید کہ ان کا یہ سلسلہ مقالات ایک کتاب کی شکل میں وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرے گا۔

"برصغیر میں صوفیۂ کرام کا منہج دعوت" محمد اکرم ساجد صاحب کا بہترین مضمون ہے جو آج کل کے صوفیہ اور سجادہ نشینان خانقاہ کے لیے درس عبرت اور قابل تقلید ہے۔ مولانا محمد طفیل احمد مصباحی صاحب کا مضمون "رمضان کی آمد" موقع کی مناسبت سے خوب ہے لیکن مضمون نگار نے حوالہ جات کی یکسانیت کو باقی نہیں رکھا ہے کبھی تو صفحات سے حوالہ دیتے ہیں کبھی صرف کتاب کے نام پر اکتفا کرتے ہیں جو عصر حاضر کے تحقیقی اسلوب سے مطابقت نہیں رکھتا۔ "جنگ آزادی اور دہلی کے علمائے اہل سنت" ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی کا نہایت وقیع مضمون ہے مگر مختصر ہے ڈاکٹر صاحب کو چاہیے کہ اس پر نظر ثانی کر کے مزید مواد شامل کریں اور کتابی شکل میں شائع کرائیں۔ "مسلم خواتین اور سیاسی قیادت" ایک فکر انگیز عنوان ہے اس کی جگہ "بزم دانش" نہیں۔ اس کا مقام سیمینار ہے۔ تاکہ اس کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں پر شرعی دلائل کی روشنی میں تحقیقی نظر ڈالی جائے اور اسلام کے اخلاقی اصول کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔ باقی دوسرے مستقل کالم بھی معلومات افزا اور قابل مطالعہ ہیں البتہ آخری فائینل پیج پر محفل سماع کا اعلان عجیب سا لگا۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے علمی دینی ترجمان میں اس قسم کے اشتہارات سے پرہیز ہی اچھا ہے۔

اب آیئے ایک نظر ستمبر ۲۰۱۰ء کے شمارے پر بھی ڈال لیں۔ اس کا اداریہ "عیسائیوں کی دہشت گردی" بڑا فکر انگیز ہے جو آج کے جھوٹے دعوے داروں کے چہرے سے نقاب اتار کر اور ان کا اصل روپ سامنے لا رہا ہے۔ خیر سے یہ اداریہ مدیر معاون مولانا طفیل احمد مصباحی کا ہے جو ان کی قلمی توانائی کا اشاریہ ہے۔ اداریے کے فورا بعد زمین وآسمان کی گردش کا نظریہ یہودی فکر کا شاخسانہ بڑا عمدہ اور تحقیقی مضمون ہے جسے الجامعۃ الاشرفیہ کے موقر استاذ مولانا مفتی محمد معراج القادری نے سپرد قلم کیا ہے جو دلائل سے پر ہے۔ یہ مضمون اصلاً حضرت علامہ بدرالدین احمد قادری مصباحی علیہ الرحمہ کی کتاب "تعمیر ادب" پر اعتراضات کے جواب میں مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے "توحید نبوت مسیح اور بائبل" کے عنوان سے مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی نے بڑا تحقیقی مضمون لکھا ہے، جس میں عیسائیوں کے عقیدۂ ابنیتِ مسیح کو اچھی طرح باطل کیا ہے اور اسلام کے معتدل وحق نظریے کو اجاگر کیا ہے، مقالہ نگار نے انگریزی اور اردو دونوں زبان میں طبع شدہ اناجیل کے حوالے دیے ہیں اور اصل عبارات نقل کی ہیں، "نوجوانوں کی ذمہ داریاں حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں" بڑا اہم مضمون ہے جو عصر حاضر کے نوجوانوں کو دعوت فکر وعمل دے رہا ہے۔ ایسے مضامین اور معلومات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کا نوجوان طبقہ چاہے طلبہ مدارس ہوں یا عوام الناس بے راہ روی کا شکار ہے، ان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر زندگی بے کار ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے:۔ "احساس ذمہ داری سب سے قیمتی سرمایہ ہے" افسوس کہ اب یہ سرمایہ برباد ہو رہا ہے اور ہمیں احساس زیاں بھی نہیں، طلبہ مدارس کو جو مستقبل کے قائد ورہنما ہونے والے ہیں اس مضمون کو بار بار پڑھنا چاہیے، مولانا انور نظامی مصباحی

نے "ظلم" کے تعلق سے اچھا مضمون قلم بند کیا ہے، قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے اس کی مذمت پر دلائل فراہم کیے ہیں، ذرا سی توجہ سے مولانا ظلم کی ان اقسام کو بھی پیش کر دیتے جن پر عام طور سے لوگ عمل پیرا ہیں، تو مضمون اور کامل ہو جاتا اور لوگ جان جاتے کہ ظلم کیا کیا ہے۔ صابر رضا رہبر مصباحی نوجوان علما میں صاحب فکر اور صاحب قلم ہیں انھوں نے بابری مسجد کے تعلق سے کچھ نئے گوشوں کو اجاگر کیا ہے اور حالات حاضرہ کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے۔ صاحبزادہ سید احمد القادری المجہری ولد سید اصغر امام قادری مصباحی مدظلہ العالی نے اپنے "خانوادہ حضور سیدنا" کے باکرامت بزرگ نبیرۂ سیدنا حضرت قاضی سلیمان قادری بغدادی کی حیات اور کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مختصر مضمون سپرد قلم کیا ہے جو تاریخ کا ایک گمنام گوشہ ہے۔ ہمارے ہندوستان کی تاریخ میں بہت سے ایسے اولیا اللہ ہیں جن پر زیادہ نہیں لکھا گیا اسی میں حضرت سیدنا محمد المجہری ہیں جو اولادِ غوثِ پاک میں سب سے پہلے ہندوستان میں وارد ہوئے اور سلسلہ قادریہ کو فروغ دیا۔ اب چند سالوں سے ان پر بھی لکھا جانے لگا ہے جو خوش آئند ہے۔ کیا بیت المقدس کو پھر کسی صلاح الدین ایوبی کا انتظار ہے؟" کے تحت دو اچھے مضامین آئے ہیں ایک ہے مولانا شکیل احمد قادری مصباحی دیوگھروی کا دوسرا جناب مہتاب پیامی صاحب کا، دونوں ہی فکر انگیز ہیں۔ گوشۂ ادب میں مولانا ساجد رضا مصباحی دیناجپوری نے مبلغ اسلام خلیفہ اعلی حضرت مولانا عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر روشنی ڈالی ہے۔ حضرت مبلغ اسلام کے اس پہلو سے کم ہی لوگ واقف ہیں ضرورت ہے کہ اس مضمون کو پھیلا کر لکھا جائے۔ دیگر مستقل کالموں میں بھی اچھے اچھے مختصر مضامین اور تاثرات آگئے ہیں خیر وخبر کے کالم میں فقیہ اہلسنت حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم صاحب بستوی علیہ الرحمہ کے سانحہ ارتحال کی خبر بھی ہے جنھوں نے ۴ر رمضان المبارک (۱۴۳۱ھ) ۱۵/ اگست ۲۰۱۰ء) کو بریلی میں وصال فرمایا۔ مرکز اہل سنت بریلی شریف میں تقریبا چالیس سال سے فقہ وفتوی کی خدمت انجام دینے والے اس خاموش مفتی وقاضی نے جو جگہ چھوڑی ہے اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے، اخلاق وکردار کے پیکر، خوش گفتاری کے خوگر، دنیا کے جھمیلوں سے کنارہ کش، اس مرد مجاہد نے بڑی دیدہ وری سے اپنی زندگی کے ایام گذارے ہیں۔ کتابوں کے تاجر بھی تھے، بریلی کی عظیم الشان اور وسیع مسجد نو محلہ مسجد کے امام وخطیب بھی تھے۔ ضرورت ہے کہ ان کے قریبی احباب ان کی زندگی کے مخفی گوشوں کو اجاگر کریں، اور ان کی خدمات کا تعارف پیش کریں۔

ماہ نامہ اشرفیہ اپنی گوناگوں خوبیوں سے مرصع ہو کر ہر ماہ پابندی سے منظر عام پر آتا ہے، کاغذ اور ٹائیٹل کے اعتبار سے بھی تمام مذہبی مجلوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ جسے عرصہ دراز سے ادیب وقلم کار مولانا مبارک حسین مصباحی ڈیل کر رہے ہیں، اور خوب سے خوب تر کی سمت گام زن ہیں۔ فرزندانِ اشرفیہ کو اس کے فروغ اور استحکام کے لیے خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ اس کو نکلتے ہوئے چونتیس سال ہو گئے، یہ کسی دینی پرچے کے لیے بڑی لمبی مدت ہے خدا اسے نظر بد سے بچائے اور مزید استحکام بخشے آمین۔

عبد المبین نعمانی قادری
المجمع الاسلامی مبارک پور

ملحق مدارس کرپشن کا مرکز بنتے جا رہے ہیں

ادیبِ شہیر محترم مولانا مبارک حسین صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ

سلام مسنون

موقر ماہ نامہ اشرفیہ جولائی شمارہ میں مفکر ملت حضرت مولانا ادریس بستوی صاحب کا فکر انگیز مہمان اداریہ نظر نواز ہوا۔ حضرت کی تشویش اور جن مسئلوں پر آواز بلند فرمائی ہے، اس کی تائید کرنی چاہیے مگر اپنی صفوں میں جو برائیاں برگد کا پیڑ بنتی جا رہی ہیں ان کا بھی سدِ باب ناگزیر ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے گرانٹ لسٹیڈ مدارس کرپشن کا مرکز بنتے جا رہے ہیں۔ لاکھوں لاکھ روپے دے لسٹڈ کرانا اور لاکھوں لاکھ روپے لے کر تقرری کرنا عام بات ہو گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ روپے کا لین دین رشوت کے کس زمرے میں آتا ہے اور اس کا جواز کہاں سے پیدا ہو گیا کہ مذکورہ طریقے سے تعمیر مدارس میں مدرسین کی جگہ اس طرح تقرریاں ہو رہی ہیں۔ کہیں یہ ریٹ ۶۰/ ہزار، ۷۰/ ہزار، ۱/ لاکھ دو لاکھ تو کہیں ۶/ ۷/ لاکھ تک ہے۔

اس سلسلے میں ایک دل چسپ اور افسوس ناک بات یہ سننے میں آئی ہے کہ ایک مدرسہ کے مدرس بے چارے بیمار پڑ گئے، ایک امیدوار کو خبر لگ گئی۔ دوڑ کر بیمار کی عیادت کے لیے نہیں بلکہ یہ دیکھنے کے لیے گئے کہ قریب المرگ ہوئے کہ نہیں اور مزید کتنی سانسیں باقی ہیں اور بہت خوش ہوئے، بس قریب المرگ ہیں،

جھٹ دوڑ کر ناظمِ اعلیٰ صاحب سے ملے اور درخواست کی کہ فلاں مدرس کی جگہ پر فدوی کا تقرر فرمالیں اور یہ ایڈوانس قبول فرما لیں۔ ناظم صاحب من ہی من میں گدگد ہو گئے اور مصنوعی حیرت کے ساتھ "ارے ابھی تو وہ زندہ ہیں"۔ امیدوار بولے۔ بس ایک آدھ روز میں............ بے چارے مدرس کے لیے ایڈوانس پیغامِ اجل ناظم صاحب کے لیے باعثِ خیر وبرکت ثابت ہوا۔ فوری دبیز لفافہ کا مصافحہ کیا، اچھا تو ٹھیک ہے........ غور کیا جائے گا۔

انھیں مدارس میں ہندوؤں سے خطیر رقم لے کر عالم وفاضل کا فارم بھروا کر ان کی جگہ اپنے طلبہ کو امتحان میں لکھوا کر اچھے نمبروں سے عالم وفاضل بنایا جارہا ہے۔

انھیں مدارس میں ہندوؤں سے خطیر رقم لے کر تقرری کی جا رہی ہے، تو آگے چل کر رام گوپال سنگھ مدرس مدرسہ اسلامیہ، اور رام بھگوان سنگھ صدر المدرسین مدرسہ فلاحِ ملت۔ اور ایسے ہی ناظم و ممبران ہندوؤں کو فرضی مدرسہ رجسٹرڈ کرا کر فرضی مدرسین کی تنخواہ بھی لے رہے ہوں گے۔ اس میں حکومت کی غلطی تو ہے ہی اپنوں کی زیادہ۔ چوں کفر از کعبہ برخیزد...

حضرت نے جس تشویش کا اظہار فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے، حکومت سے باربار مطالبہ ہوا، استفسار ہوا۔ کیا یہ سب مسائل سپا کی حکومت میں نہیں تھے۔ میرے ناقص خیال میں یہ سب مسائل سپا کی حکومت میں تھے اور حضرت اس حکومت کے حامی و علم بردار تھے، بلکہ ملائم سنگھ سے کئی بار شرفِ بیٹھک بھی حاصل ہو چکا تھا، پھر اس وقت ان مسائل کی طرف حضرت کی نظرِ التفات کیوں نہیں ہوئی؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

حکومت سے مظاہرہ و مطالبہ کا حاصل وہی ہوگا جو ۶۳/ سال میں ہوا کہ ہم ذلت سے بدتر ہو گئے۔ یہ سیکولر پارٹیوں کا ساتھ رہنے کا ہمیں انعام ملا۔ اس لیے وقت آگیا ہے کہ اپنا سیاسی احتساب کریں، اگر غیرتِ ملی ہے تو مسجد و منبر کی امامت کی بقا اور افتخار کے لیے۔ یا سی امامت و امارت حاصل کر کے اپنے حقوق حاصل کرنے کا۔ کیا مجبوری ہے اپنی سیاست و قیادت حاصل کرنے کی۔ مجبور نہیں مضبوط بنو۔ اپنی سیاست اپنی قیادت، اپنی حفاظت سب کو انصاف۔ شکریہ

ڈاکٹر محب الحق قادری، دائرۃ البرکات، گھوسی، مئو

الجامعۃ الاشرفیہ رضا مشن کا ہیڈ کوارٹر ہے

محترم المقام ادیبِ شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدِ سلام امید کرتے ہیں بخیر ہوں گے۔

دیگر ضروری تحریر کرنا یہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور آپ کی شان دار ادارت کے زیرِ سایہ روز بروز ترقی کی منازل کو طے کرتا ہوا فروغ پارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظرِ بد سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔ ویسے تو آپ کا ہر اداریہ بڑی معنویت وجامعیت کا حامل ہوتا ہے۔ مگر قریبی گزشتہ دو تین شماروں میں بڑی حق گوئی اور بے باکی کے ساتھ مثلاً «طالبانی اسلام» پر عقدہ کشائی فرمائی ہے اور محترم المقام شہزادۂ مبین ملت ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی صاحب کا قسط وار مضمون «اہل سنت و جماعت کے انتشار» کے حوالے سے اور پھر اس کے تدارک کی سبیل جو پیش فرمائی، یہاں پر بہت پسند کیا گیا۔ بالخصوص حضرت محترم الحاج مولانا حافظ اللہ بخش اشرفی صاحب نے بہت سراہا اور بڑی حقائق پسندانہ تحریر قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں آپس میں مل جل کر کام کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔ اور جو لوگ مشن اور جماعت اہل سنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں، انھیں ناکام فرمائے۔ آمین۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو جو اس وقت جماعت اہل سنت کا مرکزی ادارہ اور رضا مشن کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ مخالفین کی سازشوں اور ان کی حیلہ سازی سے محفوظ فرما کر مزید ترقی عطا فرمائے، آمین۔

فقط محمد عبد القادر

دار الافتا جامع مسجد صدر بازار، باسنی، ناگور، راجستھان

انجام کو کچھ سوچو، کیا قصر بناتے ہو

ہفتہ وار «ملی گزٹ» کے پہلے صفحہ پر ایک خبر چھپی ہے جسے اخبار کے مدیر ظفر الاسلام خاں صاحب نے مرتب کیا ہے۔ میرا خیال ہے اس خبر کو ہر ایک قومی روزنامے کی سرخی بنایا جانا چاہیے اور ٹی وی چینلوں پر بھی اسے دکھایا جانا چاہیے۔ لیکن میں نے کسی اور اخبار میں یہ خبر نہیں دیکھی۔ مجھے بڑا افسوس ہوا کہ ہمارے میڈیا نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی برتی۔ خبر کی سرخی تھی: «سکھوں کے ہاتھوں ۱۹۴۷ء میں مسمار شدہ مسجد کی تعمیرِ نو» میں اس خبر کی جزئیات آپ کو اپنے طور پر بتاتا ہوں:

«پنجاب کے سمرالہ قصبے سے کوئی دس کلو میٹر دور پر ایک گاؤں ہے جس کا نام ہے سرور پور۔ اس گاؤں میں مسلمانوں کی قابلِ لحاظ آبادی ہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم وطن کے موقع پر جو فسادات ہوئے ان میں گاؤں کے بیش تر مسلمان پاکستان چلے گئے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مشتعل ہو کر گاؤں کی مسجد کو منہدم کر دیا۔ پچھلے سال گاؤں کے سکھوں نے مسجد کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۲ مئی کو شرومنی گوردوارہ پربندھک کے جتھے دار کرپال سنگھ، علاقے کے ممبر اسمبلی گل جیون سنگھ اور تمام گاؤں نے مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی کا اپنے یہاں خیر مقدم کیا اور مسجد کی چابیاں گاؤں کے سب سے معمر مسلمان دادا محمد طفیل کے حوالے کر دیں۔ اس موقع پر اللہ اکبر کے نعرے بھی لگائے گئے۔ اس وقت پنجاب وقف بورڈ کے چیرمین محمد عثمان صاحب بھی موجود تھے۔»

میرے فرقے نے جو کیا اس پر میرا سینہ فخر سے پھول گیا۔ یہ وہ عمل ہے جسے گرونانک بھی پسند کرتے۔ گرونانک کے پہلے پیروکار بھائی مردانہ تھے جو تا حیات اپنے مذہب اسلام پر قائم رہے۔ آدی گرنتھ صاحب کے مرتب پانچویں گرو، گورو ارجن بھی ایسا ہی کرتے۔ انھوں نے ہر مندر صاحب تعمیر کرایا تھا اور اس کی بنیاد لاہور کے مشہور صوفی حضرت میاں میر نے رکھی تھی۔ وہ اگر زندہ ہوتے تو اس کام کی یقیناً تعریف کرتے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی ایسا ہی کرتے، جن کی مہارانیوں میں سے ایک نے لاہور کی آج سب سے مشہور خانقاہ درگاہ داتا گنج بخش سنگ مرمر سے تعمیر کرائی تھی [اور اس میں سیکڑوں بے گناہوں کا خون ابھی کچھ دن ہوئے «اسلام» کے علم برداروں نے بے دھڑک بہایا]

میرا خیال ہے کہ اب بھی دیر نہیں ہوئی ہے اور میڈیا اپنی کوتاہی کی تلافی کر سکتا ہے۔ اخبار والوں اور ٹی. وی. چینلوں کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ سرور پور کا دورہ کریں، از سرِ نو تعمیر شدہ مسجد کی تصویریں شائع کریں اور ہم وطنوں کو بتائیں کہ وطن کی سالمیت کے لیے ایسے ہی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

میڈیا والوں کو بابری مسجد تباہ کرنے والوں کے لیے مسجد کی تعمیرِ نو کے خصوصی شو پیش کرنا چاہیے۔ ان میں ایل کے ایڈوانی، مرلی منوہر جوشی، اوما بھارتی، سادھوی رتھمبرا، کلیان سنگھ، ہندو مہا سبھا کے لوگ، شیو سینک، بجرنگ دل کے لوگ اور اسی طرح کے دیگر افراد شامل ہیں۔ میرا خیال ہے اس سے نتیجہ اچھا نکلے گا۔ فقط

خوشونت سنگھ، کالم نگار ہندوستان ٹائمس

اسلام، آستھا اور قانون

مکرمی............ سلام مسنون

دنیا کے حادثات کا جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اکثر ممالک میں جہاں آستھا کا بول بالا ہے وہیں قانون کو زیر کر دیا جاتا ہے۔ اور جہاں قانون کی چلتی ہے وہاں آستھا کی کوئی حیثیت نہیں اگرچہ سیکولرزم کا نعرہ ہر ملک میں لگایا جاتا ہے۔

وطن عزیز ہندوستان نے اس روش کو نہ کبھی اختیار کیا اور نہ کبھی اس کی تائید کی بلکہ یہاں اس نوعیت کی سیکولرزم قائم کی گئی جس میں مذہبی آزادی برقرار رہے۔ جس کی بنا پر ہندوستانی دستور اساسی کو دیگر ممالک کے دستور اساسی پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور یہی ہندوستان کی امتیازی شان ہے۔

لیکن بابری مسجد ملکیت مقدمہ کے فیصلہ نے اس مثالی تعمیر کو پامال کر کے ہندوستان کے دستور اساسی کی بیخ کنی کرنے کی سعی کی ہے جو صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ سارے ہندوستانیوں کے لیے ایک عظیم المیہ ہے۔

اس موقع پر بعض مدبرین یہ رائے پیش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے ہر باشندہ کو آستھا اور قانون میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوگا۔ اس امر پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہ رائے بھی ہندوستانی نظریہ کے برخلاف ہے۔ مزید یہ کہ یہ نظریہ ان لوگوں کے حق میں درست ہو سکتا ہے جو آستھا اور قانوم کو الگ الگ کسوٹی پر رکھتے ہیں لیکن مذہب اسلام میں آستھا اور قانون کو تقریباً مساوات کا درجہ حاصل ہے۔

اسلام کے اندر جہاں یہ آستھا ہے کہ ہم خدا کی زمین (جس پر مسجد بن گئی) کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتے وہیں حب الوطنی اور وطنی دستور و قانون کی پیروی بھی آستھا میں داخل ہے۔ لہٰذا تمام ہندوستانیوں کو یہ باور کرنا ہوگا کہ بابری مسجد ملکیت مقدمہ کا فیصلہ نہ صرف اسلامی آستھا اور قانون کے خلاف ہے بلکہ یہ ہندوستانی آستھا اور قانون اور ہندوستانی دستور اساسی کی سالمیت کے لیے بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس فیصلہ کو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے اور سیکولرزم کو ختم کرنے کے خواہاں ہیں مگر ایک سیکولر مزاج کا ہندوستانی اسے کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

محمد غلام مجتبیٰ کولکاتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور۔

وفیات

اک آفتابِ علم اور غروب ہوگیا - از: قاری علاء الدین اجملی

لائی حیات آئے، قضا لے چلی، چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ خبر سن کر بے حد افسوس ہوگا کہ بتاریخ ۱۶؍اکتوبر ۲۰۱۰ء شب یک شنبہ ۱۱؍بجے حضرت علامہ مفتی محمد اختصاص الدین اجملی مفتی اعظم سنبھل ناظم اعلیٰ ومتولی مرکزی ادارہ اجمل العلوم سنبھل ضلع مرادآباد یو۔ پی. داغِ مفارقت دے کر بہ عمر ۶۰؍سال اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ مفتی صاحب مرحوم حضرت الشاہ اجمل العلما مفتی محمد اجمل صاحب نعیمی علیہ الرحمہ بانی اجمل العلوم کے چھوٹے صاحب زادے تھے۔ ربِ قدیر نے انھیں فضائل و کمالاتِ کثیرہ سے نوازا تھا، وہ قرآن کریم کے حافظ اور بہترین عالم ومفتی تھے۔ مرحوم نے اپنی حیات میں تشنگانِ امت کے لیے اپنے قیمتی اوقات وقف کردیے تھے۔ فتاویٰ کثیرہ حضرت کے قلم وقرطاس سے مزین ہیں نیز علمِ میراث میں تویدِ طولیٰ رکھتے تھے، کتنا ہی پیچیدہ مسئلہ آیا حضرت نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی روشنی میں جلد ہی حل فرمایا، کوئی سوالی کبھی آپ کی بارگاہ سے خالی نہیں گیا۔ وہ درس گاہ کے قابل ترین استاذ تھے۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک بار دیکھ لی یا سن لی کبھی نہ بھولے، مرحوم نے بے شمار تلامذہ پیدا فرمائے۔ جو آج پورے ہندوستان اور بیرون ہند رہ کر خدماتِ دین میں مصروف ہیں جو حضرت کے لیے مغفرت کا سامان ہے۔

آپ منکسر المزاج صبر وتحمل کے پیکر، غریبوں پر ترس کھانے والے بے مثال مرد مجاہد تھے۔ کسی نے کتنا ہی تلخ کلمہ سامنے کہہ دیا لیکن آپ کی پیشانی پر غصہ کا اظہار نہیں دیکھا گیا، وہ مفکر ومدبر، دور اندیش اور قلب و ذہن میں دوسروں کے لیے گنجائش رکھتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ پوری زندگی امانت داری اور دیانت داری سے گزاری۔ سینتیس سال مدرسہ اجمل العلوم کی نظامت کے فرائض انجام دیے اور ادارہ کو ہر اعتبار سے راہِ ترقی پر گام زن فرمایا اور اپنے والدِ محترم اجمل العلما کے نقشِ قدم پر چل کر فروغِ دین کے فرائض انجام تک پہنچائے۔ ادارہ کے عروج وارتقا کے لیے شب وروز کی ساعتیں وقف کردی تھیں۔ سنبھل و اطرافِ سنبھل، ملک و بیرون ملک سے بھی فراہمی زر کثیر تعاون کامل فرمایا اور اس کے ساتھ خاص بات یہ تھی کہ کبھی عوض طلب نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ادارہ کی فلاح وبہبود پر قربان ہوگیا۔ لیکن کبھی کبھی دنیا کی پریشانیوں سے حیران ہوکر دکھ درد کا اظہار کرکے اپنے محبین و مخلصین سے کہا کرتے تھے کہ حریفانِ وقت مجھے مشقت میں مبتلا کررہے ہیں، مگر میری زندگی میرے وصال کے بعد ضرور یاد آیا کرے گی۔

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
گر ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

آج وہ ہمارے درمیان بہ ظاہر نہیں ہیں، مگر ان کا حسن اخلاق و کردار وصبر وتحمل نمونۂ عمل ولائق تقلید ہے۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

نیز بدمذہبوں سے برسرِ پیکار رہنے والے اور ہر بدمذہبیت کارد کرنے والے ایک اعلیٰ مناظرِ اہلِ سنت تھے۔ اب ان کی ذات ہر اعتبار سے یاد آتی رہے گی اور ہر منزل ہر گام پر ان کی ضرورت سمجھ کر یاد کیا جاتا رہے گا۔

ان کا غریب پروری کا وصف بھی قابل ذکر ہے۔ آپ پوشیدہ طور پر پریشان حال لوگوں کی مالی خدمت بھی کیا کرتے تھے بعدِ وصال کچھ ایسے حضرات بھی ملے جو اشک بہاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اب اس طرح ہماری خدمت کون کرے گا۔ جس طرح مفتی صاحب علیہ الرحمہ خدمت کرتے تھے۔ ایسا دل کسی کسی کے سینے میں ہوتا ہے۔ راقم السطور کا علمی سفر حضرت مرحوم ملت کی ہم راہی میں گزرا۔ حضرت کے لیل ونہار میرے ذہن میں ہیں، ان کا تقویٰ وطہارت پوشیدہ نہیں۔ مرحوم کا ایک وصف خاص اور ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت جہاں بھی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، اپنی گاڑی سے جاتے، اپنے پاس سے خرچ کرتے، مگر کسی سے پوری زندگی نذرانہ طلب نہیں کیا۔ یہ تھی حضرت کی خالص دینی خدمت جس کی مثال اس دور میں نادر ونایاب ہے۔ راقم السطور مرحوم ملت کا ۸؍سال ہم سبق رہا۔ درجۂ اعدادیہ سے فضیلت تک۔ اور گیارہ سال حضرت کی زیرِ نظامت اجمل العلوم میں تدریسی خدمات انجام کو پہنچائیں۔ اس گیارہ سال اور اس کے بعد تادمِ حیات مرحوم نے جو دینی فرائض ادا کیے وہ ناقابل فراموش ہیں۔ جب آپ کی عمر ۲۳؍سال کو پہنچی اور درسِ نظامی سے فراغت پائی، اس وقت نظامت کی ذمہ داری مقدر بنی اور آپ نے اس منصب پر فائز ہوکر ادارہ کو ترقیوں سے ہم کنار کیا۔ انسان کی خوبیاں دنیا سے چلے جانے کے بعد زیادہ یاد آتی ہیں، وہ اپنی حیات میں اپنی ذات کے لیے یہ تصور پیش کرتے تھے۔ (باقی ص: ۷ پر)

استاذ جامعہ خلیل العلوم، سنبھل، مرادآباد

تنظیمی سرگرمیاں

بابری مسجد مقدمہ اور فیصلہ

۳۰؍ستمبر ۲۰۱۰ء کے فیصلے کے بعد تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام علما اور دانش وروں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں بابری مسجد ملکیت مقدمہ سے متعلق ہائی کورٹ کے فیصلے پر عدم اطمینان کا پرزور اظہار کیا گیا۔ میٹنگ میں حاضرین کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی گئی کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ یا کسی سنی تنظیم کو سپریم کورٹ کی اپیل میں فریق کی حیثیت سے آگے آنا چاہیے۔ اجلاس کی صدارت تنظیم کے نائب صدر مولانا محمد ادریس بستوی نے فرمائی جب کہ نظامت تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے فرمائی۔ میٹنگ کے بعد میڈیا کو مندرجہ ذیل مشترکہ بیان جاری کیا گیا۔

بابری مسجد کا قضیہ پوری دنیا کی نگاہوں میں ہے اور اس حقیقت سے ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے کہ یہ مسجد قریب ساڑھے چار سو سال تک مسلمانوں کی عبادت گاہ کے طور پر پہچانی جاتی رہی ہے، آزادیِ ہند کے بعد جہاں اور بہت سے پیچیدہ مسائل انگریزوں نے ہندوستان کے لیے چھوڑے، جیسے مسئلۂ کشمیر اور آبی تنازعہ کا مسئلہ، سرحدوں کی تعیین کا مسئلہ، وہیں بابری مسجد، رام جنم بھومی کا مسئلہ بھی انگریزوں ہی کی پیداوار ہے۔ اس مسجد میں آزادی کے بعد ۱۹۴۹ء میں ایک مورتی رکھ کر جھگڑا پیدا کیا گیا، پھر مسجد میں تالہ لگا کر مسلمانوں کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی، پھر فسطائیوں کی خواہش کے مطابق تالہ کھلوا کر عام پوجا پاٹ کی اجازت دے دی گئی، اس کے بعد مسجد سے ملحقہ وقف کی آراضی پر شیلا نیاس کروا کر مسلمانوں کو اضطراب میں مبتلا کیا گیا۔ اس کے بعد ۶؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو غنڈوں نے تاریخی مسجد کو مکمل طور پر مسمار کرکے حکومت کی سرپرستی میں ایک عارضی مندر اسی جگہ پر بنالیا۔

عدالتوں میں مقدمات چلتے رہے، پھر جلد فیصلے کے مقصد سے سارے مقدمات کو یک جا کرکے ضلع جج عدالت کے بجائے ہائی کورٹ کے حوالے کردیا گیا تاکہ تمام مقدمات کا ایک ہی بار میں فیصلہ ہوجائے۔ اس جعل سازی کے باوجود مقدمات ۶۱؍سال کے بعد فیصلے کی منزل تک پہنچے۔ ججوں کی ٹیم نے الگ الگ فیصلے دیے۔ ایک جج کا فیصلہ تو بالکل ہی الگ تھلگ رہا، باقی دو ججوں کے فیصلے میں کچھ اختلاف کے ساتھ ان احکام میں یکسانیت پائی گئی اور وہی فیصلہ ہائی کورٹ کا فیصلہ مانا گیا۔

ججمنٹ قریب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بابری مسجد کی زمین کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ ایک حصہ سنی سینٹرل وقف بورڈ کے حق میں، ایک حصہ نرموہی اکھاڑے کے لیے اور ایک حصہ رام للا کے حق میں تسلیم کیا گیا۔ یہ فیصلہ ہندوستانی قانون اور آئین کے بالکل خلاف ہے اور اس کے لیے کوئی ضابطہ اور دستور ہند کسی طور پر حمایت نہیں کرتا۔ مسلمان سخت مضطرب ہے، لیکن امن وامان کی خاطر سمندر کی طرح خاموش ہے۔ اب مسلم زعما وعلما مسلسل نشستیں کررہے ہیں۔ کچھ لوگ مفاہمت کی بات بھی کررہے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں سب سے پہلے ۳۰؍ستمبر کو ہونے والے اس فیصلے کے خلاف عدالت عظمیٰ (سپریم کورٹ) میں اپیل داخل ہونی چاہیے اور پوری مستعدی سے بہترین قانون دانوں کے ذریعہ اس مقدمے کو لڑا جانا چاہیے۔ اپیل ہوجانے کے بعد دوسرے دادرسی کے ذرائع پر مل بیٹھ کر غور کرنا چاہیے۔ انفرادی طور پر الگ الگ بیان دینا اور الگ الگ خیالات کا اظہار کرنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔

میٹنگ کے اہم شرکا کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا عبدالحق رضوی، مولانا نعیم الدین عزیزی، مفتی محمد معراج القادری،، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا بدر عالم مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مفتی نسیم احمد مصباحی، مولانا ہارون مصباحی، مولانا قطب الدین مصباحی وغیرہ۔

از: محمد طفیل احمد مصباحی

مفتی اختصاص الدین اجملی سنبھلی کے انتقال پر
جامعہ اشرفیہ میں تعزیتی نشست

۱۷ر اکتوبر ۲۰۱۰ء بشب گیارہ بجے مدرسہ اجمل العلوم سنبھل کے ناظم اعلیٰ، حضرت مفتی محمد اختصاص الدین اجملی صاحب کا انتقال ہو گیا، معمولی سی ناسازی طبع کے نتیجے میں اچانک انتقال سے ایک کہرام سا برپا ہوگیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جب آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو یہاں اساتذہ وطلبہ نے حضرت کی وفات پر اپنے رنج والم کا اظہار کیا۔ بعد نماز عشا عزیز المساجد میں ایصال ثواب کے لیے ایک تعزیتی پروگرام منعقد ہوا جس میں جامعہ کے اساتذہ وطلبہ نے شرکت کی، اجتماعی تلاوت قرآن کے بعد مفتی صاحب کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا۔ اس موقع پر حضرت مفتی زاہد علی سلامی نے ایک مختصر خطاب کیا اور فرمایا کہ شروع رمضان سے اب تک ہمارے کئی اکابر انتقال فرما چکے ہیں۔ علامہ فیض احمد اویسی پاکستان، علامہ قاضی عبد الرحیم بستوی مفتی مرکزی دارالافتا بریلی شریف، حضرت مفتی عنایت احمد نعیمی اترولہ علیہم الرحمۃ والرضوان، ان بزرگوں کا غم ابھی ہلکا بھی نہ ہوا تھا کہ دنیاے سنیت میں یہ خبر بجلی بن کر گری کہ شہزادۂ حضور اجمل العلما حضرت مفتی اختصاص الدین اجملی علیہ الرحمہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، یقیناً ان علماے ربانیین کی رحلت کرنے سے جماعت اہلسنت میں ایک عظیم خلا پیدا ہوگیا ہے اور ملت کا زبردست نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ تعزیتی نشست میں مفکر اسلام حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی نے ایک معلومات افزا اور فکر انگیز خطاب فرمایا اور ان اکابر کی دینی اور ملی خدمات پر اجمالی روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ علامہ فیض احمد اویسی کا شمار جماعت اہلسنت کے صف اول کے علما میں ہوتا ہے۔ آپ بلند پایہ محقق، تین ہزار سے زائد کتابوں کے مصنف اور احیاء العلوم اور تفسیر روح البیان کے مترجم تھے۔ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لیے ہر لمحہ کوشاں رہتے اور تادم حیات اپنی گراں قدر تحریر وتقریر سے امت مسلمہ کی اصلاح و ہدایت فرماتے رہے۔ فقیہ اہل سنت قاضی عبد الرحیم بستوی کا انتقال پر ملال بھی ملت کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ آپ کے فتاویٰ کی علمی اور عوامی حلقوں میں بڑی قدر و قیمت تھی۔ قاضی عبد الرحیم علیہ الرحمہ بریلی شریف کے مرکزی دارالافتاء کے مستند اور معتمد مفتی اور تاجدار اہلسنت حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے علمی اور فقہی وارث تھے۔ وہ جماعتی انتشار اور اہل سنت کے لا یعنی اختلاف سے بھی گریزاں رہتے تھے۔ انھوں نے نام ونمود، ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کبھی فتوے کا استعمال نہیں کیا۔ انھوں نے بارہا جامعہ اشرفیہ کی مجلس شرعی کے سیمناروں میں شرکت فرمائی، انتہائی سنجیدگی سے بحثوں کو سن کر اپنی رائے پیش فرماتے وہ جب فقہی سیمینار میں شرکت فرماتے تو کوئی ایک نشست ان کی صدارت میں ضرور ہوتی، انھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ حضرت مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کی خدمت اور حضرت تاج الشریعہ شاہ علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں گزارا۔ اللہ تعالیٰ انھیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے آمین اور اخیر میں حضرت مفکر اسلام نے فرمایا کہ حضرت مفتی اختصاص الدین اجملی علیہ الرحمہ ایک باصلاحیت عالم اور فقہ کے رمز آشنا مفتی تھے۔ آپ کی دینی و ملی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، علم کے ساتھ عمل کے بھی پیکر تھے، سلطان المناظرین حضرت علامہ اجمل شاہ علیہ الرحمہ کے سچے جانشین تھے، سنبھل کے مفتی اعظم کی حیثیت سے آپ کی ایک منفرد شناخت تھی۔ عہد طالب علمی سے لے کر آج تک میرا ان سے رابطہ رہا، میں نے انھیں بڑے قریب سے دیکھا، وہ بلند اخلاق، نیک سیرت، مہمان نواز تھے۔ وہ مجلسی شخص بھی تھے، ان کی مجلس سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ان کی بذلہ سنجیاں اور علمی لطائف رہ رہ کر یاد آتے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بھی ان کا آنا جانا تھا۔ وہ جامعہ اشرفیہ کے علمی ماحول اور نظم ونسق سے حد درجہ متاثر تھے۔ ان کی اچانک رحلت سے دل کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان اور اجمل العلوم سنبھل کے اراکین اساتذہ اور طلبہ کو صبر وشکر کی توفیق رفیق سے نوازے۔ آمین

اخیر میں صلاۃ وسلام اور دعا کے بعد مجلس کا اختتام ہوا۔

تنظیم ابناے اشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام اس تعزیتی نشست میں شرکت کرنے والوں میں نعیم ملت مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی، مولانا طفیل احمد مصباحی، مولانا اسلم مصباحی، مولانا قطب الدین مصباحی، مولانا نور عالم مصباحی، مولانا اسلم مصباحی وغیرہ کے اسما قابل ذکر ہیں۔

از: محمد رحمت اللہ مصباحی مظفر پوری
آفس انچارج تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور

عالمی خبریں

جزیرہ موریشش میں جشن عید میلاد النبی ﷺ

حسب روایاتِ سابقہ امسال بھی بارہویں شریف کے موقع پر سنی رضوی سوسائٹی موریشش میں جلوس محمدی اور جشن عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہوا۔

بعد نمازِ فجر ملک کے ہر چہار جانب سے سنی رضوی گارڈن میں عاشقانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ صبح ۸ بجے حضور عزیز ملت علامہ الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور (انڈیا) کی قیادت اور شہزادۂ حضور صدر العلما حضرت مولانا حسان رضا خاں صاحب قبلہ بریلی شریف اور دیگر علماے کرام کی معیت میں عظیم الشان جلوسِ محمدی روانہ ہوا۔ سیکڑوں چھوٹی بڑی گاڑیوں پر مشتمل یہ جلوس پرچمِ اسلام کو لہراتا ہوا نعرہ ہاے تکبیر ورسالت کی گونج، نعت شریف، درود و سلام کی پر کیف وجد آفریں، صداؤں میں ملک کی راج دھانی پورٹ لوئس کی شاہ راہوں سے گزرتا ہوا ۱۱ر بجے دن میں سنی رضوی سوسائٹی انٹر نیشنل کے پاس پہنچ کر عظیم الشان جلسہ میں تبدیل ہوگیا۔

جلسہ کا آغاز رضوی سوسائٹی کے ڈائریکٹر حافظ و قاری محمد اظفر ایوب رضوی نے تلاوتِ قرآنِ حکیم سے کیا۔ پھر مداحِ رسول جناب فیصل نقش بندی نے ہدیۂ نعت پیش کیا، بعد ازاں مولانا عبد الحمید رضوی و مولانا فضل الرحمٰن مراد آبادی کے بیانات ہوئے، پھر جناب ذو الفقار علی حسنی نے نہایت دل کش اور مترنم انداز میں نعت رسول پڑھی، پھر حضرت مولانا حسان رضا خاں صاحب بریلی شریف کا بصیرت افروز بیان ہوا۔

بعد ازاں مولانا محمد ہارون مصباحی نے مقامی زبان کریول میں ولولہ انگیز تقریر کی۔ پھر مولانا مفتی محمد مسیح احمد قادری مصباحی پرنسپل جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور کا خطاب ہوا۔ اخیر میں صدر جلسہ حضور عزیز ملت الحاج الشاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے میلادِ رسول کی عظمت و اہمیت پر نہایت جامع خطاب فرمایا۔ موصوف نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اسلام امن و سکون کا مذہب ہے۔ غریب، یتیموں اور بیواؤں کے حقوق کا تحفظ مذہبِ اسلام ہی نے فراہم کیا ہے۔ ۱ر بج کر ۲۰ر منٹ پر صلوٰۃ وسلام اور حضور عزیز ملت کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ پھر ظہر کی اذان اور جماعت کے بعد لنگر تقسیم کیا گیا، جس کا سلسلہ ۴ر بجے شام تک جاری رہا۔ نظامت کے فرائض الحاج عبد الخالق رضوی نے انجام دیے۔

اس جشن کے اہتمام میں بھائی عبد الغفور رحمت اللہ صدر، بھائی محمود چیر وخازن، بھائی عبد المجید اسماعیل ممبر، حافظ و قاری محمد اظفر ایوب رضوی ڈائریکٹر اور ان کی والدہ محترمہ اور دیگر ارکان و عمائدین نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خصوصاً نوجوانوں نے اس بزم کو سجانے میں بھرپور جاں نثاری اور جذبۂ محبت کا مظاہرہ کیا۔

از: محمد یوسف چیر ور ضوی
جنرل سکریٹری، سنی رضوی سوسائٹی، انٹر نیشنل پورٹ لوئس، موریشش۔

دبئی میں ۱۹۰۰ر غیر ملکی تارکینِ وطن کا قبولِ اسلام

متحدہ عرب امارات میں محکمۂ اسلامی امور و اعمالِ صالحہ کے مطابق دبئی میں گزشتہ ایک سے کم عرصے کے دوران ۱۹۰۰ر غیر مسلم تارکینِ وطن دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ رواں سال کے آغاز سے اب تک اسلام قبول کرنے والے تقریباً دو ہزار افراد ہیں جن میں سے ۴۰۰ر افراد نے رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ میں اسلام قبول کیا۔

حضور ﷺ کا کارٹون بنانے والے چھپتے پھر رہے ہیں

حضور اکرم ﷺ کا اہانت آمیز کارٹون بنانے والی سیاٹیل کی کارٹونسٹ اپنی جان کے خطرے کے مدنظر روپوش ہو گئی ہے۔ "سیاٹیل ویکلی" کے مطابق جس نے مُولی نوریس نامی کارٹونسٹ کا مذکورہ کارٹون پہلی مرتبہ شائع کیا تھا، امریکی تفتیشی بیورو ایف. بی. آئی. نے نوریس کو روپوش ہو جانے کا مشورہ دیا ہے۔ اخبار نے لکھا ہے کہ ایف. بی. آئی کے سیکورٹی ماہرین کے مشورے کے مطابق نوریس مسلسل اپنا ٹھکانہ بدل رہی ہے۔

قرآنی آیات پر پادری کے اعتراض کی مذمت

مصر کے سب سے معتبر عالمِ دین نے ایک عیسائی پادری کے اس بیان کی شدید مذمت کی ہے جس میں اس نے قرآن کی چند آیات کی اصلیت پر سوالات اٹھائے ہیں۔

مصر میں الازہر مسجد کے امام احمد الطیب کا کہنا ہے کہ پادری کی جانب سے دیا گیا بیان قومی اتحاد کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ انھوں نے یہ بات پادری کے بیان کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال پر غور کے لیے بلائے گئے ایک خصوصی اجلاس میں کہی۔ پادری کا کہنا ہے کہ قرآن میں چند آیات ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کی وفات کے بعد شامل کی گئی ہیں۔ ان کے مطابق کچھ آیات عیسائی عقیدے سے متصادم ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ انھیں قرآن میں پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے دور میں قرآن میں شامل کیا گیا۔

امام احمد کا کہنا تھا کہ یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے اور اس سے ایک ایسے وقت میں قومی اتحاد کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جب اسے قائم رکھنا لازم ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس قسم کے بیانات کے سنگین نتائج مصر اور دیگر اسلامی ممالک میں سامنے آسکتے ہیں، تاہم پادری بیشوئی نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن سے متعلق ان کے اس بیان کا مقصد اسلام کی روح پر حملہ کرنا نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ سوال کہ آیا قرآن میں کچھ آیات پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد شامل کی گئی ہیں، نہ تو تنقید ہے اور نہ الزام۔ یہ ایک مخصوص آیت کے بارے میں صرف ایک سوال ہے جو میرے نزدیک عیسائی عقائد سے متصادم ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ میں سمجھ نہیں سکتا کہ اسے اسلام پر حملہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کے بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

ٹونی بلیئر کی سالی نے اسلام قبول کیا

برطانیہ کے سابق وزیر اعظم ٹونی بلیئر کی نسبتی بہن (سالی) لورن بوتھ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس بات کا انکشاف انھوں نے ۲۵/ اکتوبر کو کیا۔ لورن بوتھ پیدائشی طور پر کیتھولک عیسائی ہیں جنھوں نے ایران کے حالیہ دورے کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔ انسانی حقوق کی علم بردار اور صحافی لورن ایران کے انگریزی نیوز چینل پریس ٹی وی کے لیے کام کرتی ہیں۔ ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر اس وقت سامنے آئی جب وہ عالمی امن اور اتحاد ۲۰۱۰ کے پرچم تلے ایک ریلی میں شرکت کر رہی تھیں۔ اس ریلی میں کئی سخت گیر اسلام پسندوں نے شرکت کی تھی۔

محترمہ لورن نے کہا کہ چھ ہفتے قبل مجھے ایران میں ایک درگاہ میں بہت موثر تجربہ ہوا اور اب میں پانچوں وقت نماز پڑھتی ہوں اور وقتاً فوقتاً مسجد بھی جاتی ہوں۔ مزید یہ کہ ڈیڑھ مہینے سے میں نے شراب نہیں پی ہے۔ محترمہ لورن اب اپنا سر ڈھکتی اور حجاب لگا کر باہر نکلتی ہیں اور کہتی ہیں کہ مستقبل میں میں برقعہ پہن سکتی ہوں۔ محترمہ لورن نے کہا کہ اب میں خنزیر کا گوشت نہیں کھاتی اور ہر روز قرآن پڑھتی ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ممکن ہے کہ میرے اسلام قبول کرنے سے تنازعہ پیدا ہو لیکن اسے کیا کہیے کہ ہر عمل کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے۔

ہمبرگ (جرمنی) میں اسلام کو سرکاری مذہب کا درجہ ملے گا

ہمبرگ بہت جلد جرمنی کی پہلی ریاست بننے والی ہے جہاں سرکاری طور پر اسلام کو بطور مذہب تسلیم کر لیا جائے گا اور مسلمانوں کو مقامی انتظامیہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کے مساوی حقوق حاصل ہو جائیں گے۔ جرمنی میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰/ لاکھ ہے، جن میں سے سب سے زیادہ ۱۷/ لاکھ مسلمان ہمبرگ میں مقیم ہیں۔ یہاں اسلام کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیے جانے کے بعد مساجد، اور قبرستان کی تعمیر کے راستے صاف ہو جائیں گے۔ صدر کرسچین وولف نے کہا کہ ہمبرگ میں مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام بھی جرمنی کا حصہ ہے۔ اگرچہ مسلم رہنماؤں اور مقامی انتظامیہ کے درمیان یہ سمجھوتہ آسانی سے ہو گیا ہے لیکن اس کی منظوری آسان نہیں ہے کیوں کہ بعض رومن کیتھولک لیڈروں نے اس معاہدے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان ریاست کے ساتھ فریق نہیں بن سکتے کیوں کہ ان کا نظم چرچوں کی طرح منظم نہیں ہے۔ مسلم لیڈر زکریا التنگ کا بیان ہے کہ اس معاہدے سے واضح ہو گیا ہے کہ مسلمان اس معاشرے کا حصہ ہیں۔

خیر و خبر

فارغین اشرفیہ کی ادبی خدمات - بہار یونیورسٹی میں تحقیقی مقالہ

زمانۂ طالب علمی سے یہ تمنا دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی کہ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے نام ور فرزندوں کی اردو شعر و ادب میں بے لوث خدمات کو عصری جامعات اور دانش ورانِ علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے۔ الحمد للہ! پروفیسر فاروق احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو بی. آر. اے. بہار یونیورسٹی مظفر پور کی مساعیِ جمیلہ سے ناچیز کی دلی تمنا پوری ہو گئی۔ موصوف کی نگرانی اور پروفیسر ابو منور گیلانی صاحب صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی کی سرپرستی میں «اردو ادب کے فروغ میں فرزندانِ جامعہ اشرفیہ کا حصہ» پر پی. ایچ. ڈی. کے لیے تحقیقی مقالہ تحریر کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔

اس لیے اردو شعر و ادب سے تعلق رکھنے والے ابنائے اشرفیہ اپنی نگارشات و تصنیفات مع مختصر سوانحی خاکہ اولین فرصت میں درج ذیل پتے پر ارسال فرما کر اس علمی اور تحقیقی کام میں تعاون فرمائیں تاکہ آپ کا تذکرہ اس میں شامل ہو سکے۔ اور پھر جب کتابی صورت میں اس کی اشاعت ہو تو آپ کا نام و کلام اور ادبی خدمات ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو کر تاریخ کے سینے میں محفوظ ہو جائے۔

چوں کہ اس کارِ عظیم کو اس منزل تک لانے میں چند اہلِ قلم حضرات کے ساتھ پروفیسر صدیقی صاحب کا خصوصی تعاون ہے، اس لیے ہم تمام مصباحی برادران تہہِ دل سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

فقط والسلام   محمد کلیم اللہ برکاتی

Mohd. Kaleemullah barkatai Misbahi
Darul Uloom Kulliyatul Quraan
Mughal Jot, Khurasa, Gonda, U.P.
Mob.-9670825790

دار العلوم انوار مصطفیٰ میں جلسہ دستارِ فضیلت و عرسِ بخاری

۱۸/ جولائی ۲۰۱۰ء بروز اتوار مرکز علم و ادب دار العلوم انوار مصطفیٰ سہلاؤ شریف، باڑمیر کا سالانہ جلسہ دستارِ فضیلت، حفظ و قراءت و امامت اور قطب تھر حضرت پیر سید حاجی عالی شاہ بخاری علیہ الرحمہ کا ۴۲/ واں و حضرت پیر سید علاء الدین شاہ بخاری علیہ الرحمہ کا ۳۸/ واں عرس بخاری پیر طریقت حضرت الحاج سید کبیر احمد شاہ بخاری کی سرپرستی، حضور مفتی اعظم راجستھان کی صدارت و نور العلما حضرت علامہ الحاج پیر سید نور اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں عظیم الشان پیمانہ پر انتہائی عقیدت و محبت کے ساتھ منایا گیا۔

بعد نمازِ فجر قرآن خوانی ہوئی، دن بھر عقیدت مندانِ اولیا بارگاہِ قطب تھر میں حاضری دیتے رہے، مغرب سے عشا تک دار العلوم و علاقۂ تھر کے دیگر مدارس سے آئے ہوئے طلبہ کا پروگرام، اردو، عربی، فارسی، سندھی، وڈھاٹی زبانوں میں نعت و منقبت و تقریر و مکالمہ کی شکل میں ہوا۔ طلبہ کے پروگرام کی نظامت مولانا محمد زین العابدین مصباحی و مولانا محمد حسین انواری نے کی۔ بعد نمازِ عشا علما کے باضابطہ پروگرام کی شروعات قاری نور محمد رضوی کی تلاوت سے ہوئی۔ مفتی شیر محمد رضوی نے امام بخاری کی حیات و خدمات و مجلس ختم بخاری کی فضیلت اور علم حدیث کی ضرورت و اہمیت پر ایک معلوماتی تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر کے بعد حضور مفتی اعظم راجستھان کو رسم ختم بخاری شریف کے لیے دعوت دی گئی۔ آپ نے اولاً ایک مختصر مگر جامع خطاب امام بخاری و علم حدیث اور دار العلوم انوار مصطفیٰ کی خدمات پر کیا اور دار العلوم کی عمدہ کارکردگی پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ بعدہ آپ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ ختم بخاری کی تقریب کے بعد پھر جلسہ کی کارروائی چلی، جلسہ میں مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے خطابات و تاثرات پیش کیے۔ مولانا تاج محمد، مولانا ابو بکر، مولانا حافظ اللہ بخش [سنی تبلیغی جماعت باسنی] کی تقریریں ہوئیں۔ اخیر میں ڈاکٹر سید جہانگیر شاہ بخاری اور توصیف رضا خان صاحب بریلوی کے خصوصی خطابات ہوئے۔ آپ نے اولیاے کرام کے تعلق سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔ آپ کے خطاب کے بعد علما و مشائخ و سادات کے مقدس ہاتھوں دار العلوم سے فارغ ہونے والے فضلا، قرا اور حفاظ کے سروں پر تاج زریں رکھا گیا اور انھیں جبہ و دستار سے نوازا گیا۔ دار العلوم کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا سید نور اللہ شاہ بخاری نے دور دراز سے تشریف لائے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ دعا اور سلام رضا پر جلسہ ختم ہوا۔ پھر سندھی مولود شریف شروع ہوا جو اذانِ فجر تک چلتا رہا۔ بعد نمازِ فجر صاحب سجادہ پیر سید کبیر احمد شاہ بخاری اور ان کے شہزادگان کی قیادت میں جلوس کی شکل میں نعت و

منقبت وسندھی مولود شریف کے ترانہ کے ساتھ علما و عوام کے ایک جم غفیر نے بارگاہ عالیہ بخاریہ میں حاضری دی، چادر و گل پوشی کے بعد فاتحہ خوانی اور درود و سلام پر عرس کا اختتام ہوا۔

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی، خادم التدریس جامعہ ہذا

پور بندر گجرات میں تخصص فی الادب کا شعبہ

نہایت مسرت کے ساتھ یہ خوش خبری دی جاتی ہے کہ پور بندر گجرات کے دار العلوم غوثِ اعظم میں حضرت مولانا انوار احمد بغدادی کی صدارت میں آج سے چند سالوں پیش تر شعبۂ تخصص فی الادب العربی کا قیام عمل میں آچکا ہے۔ جہاں مولانا انوار احمد بغدادی، مولانا عبد المعید ازہری، مولانا نور الحسن ازہری، مولانا محمد کوثر دمشقی وغیرہ ماہر اساتذہ عربی زبان وادب کی تعلیم دے رہے ہیں۔ دار العلوم غوثِ اعظم پور بندر میں داخل درس صرف صوبہ گجرات ہی کے نہیں بلکہ مہاراشٹر، کرناٹک، کشمیر، آسام، راجستھان، ہریانہ، دلی، ایم. پی.، یو. پی.، بہار، اور جھارکھنڈ وغیرہ کے تقریباً دو سو طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، نیز اس ادارے کا جامع ازہر مصر سے بھی معادلہ ہو چکا ہے۔ بلا شبہہ اہل سنت و جماعت میں یہ ایک نہایت ہی اہم، ضروری اور قابل تحسین پیش قدمی ہے، جس سے مدارس اہل سنت کے فارغین اپنی ادبی پیاس بجھا سکیں گے اور غیروں کی تعلیم گاہوں کا رخ نہیں کریں گے، اور نہ ہی جنوبی ہند کی مشقتیں جھیلنی پڑیں گی اور علم و ادب کے شائقین حضرات جو عرب ممالک کا سفر نہیں کر سکتے، وہ اس ادبی دانش گاہ سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں گے اور یہاں سے فارغ ہو کر عالم عرب میں اپنے دینی افکار و نظریات کی تبلیغ کر سکیں گے۔

واضح رہے کہ یہ ادارہ گجرات میں اہل سنت و جماعت کا ایک عظیم ادارہ ہے جو مولانا عبد الستار ہمدانی مصروف برکاتی کی سرپرستی میں چلتا ہے، جہاں شعبۂ تخصص فی الادب العربی کے علاوہ درجاتِ عالیہ، شعبۂ حفظ و قراءت، شعبۂ کمپیوٹر وانگلش میں بھی باذوق، محنتی اور قابل اساتذہ کی ایک ٹیم مصروفِ کار ہے۔ الحمد للہ یہ ادارہ کامیابی کے ساتھ اپنے تعلیمی سفر کی طرف رواں دواں ہے۔ مولا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس مشن کو مزید ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

از: محمد شکیل احمد مصباحی، اسٹوڈینٹ کوآپریٹو کالج، جمشید پور

اورنگ آباد میں دار العلوم فیضان حافظ ملت کا افتتاح

۹ راگست ۲۰۱۰ء بروز پیر شہر اورنگ آباد کے محلہ علی نگر میں «دار العلوم فیضانِ حافظ ملت» کا افتتاح ہوا۔ اس پروگرام میں محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے خصوصی مہمان کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور «علم دین کی ضرورت و اہمیت» پر ایک جامع اور پر مغز خطاب فرمایا۔ قوم مسلم سے آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ «دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے، دینی علم کے بغیر ہم اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ عصری علوم وفنون سے آراستہ ہو کر ہم دنیوی زندگی آرام وسکون سے گزار سکتے ہیں، لیکن اخروی کامیابی علم دین کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان دنیوی علوم حاصل کر کے لاکھ ترقی کر لے، تاہم ان کے لیے دینی علوم بھی ضروری ہیں۔ علم ہی سے انسان معزز اور کامیاب ہوتا ہے۔ علم نور ہے اور جہالت تاریکی ہے، علم کی شمع لے کر ہم تاریکیوں کو منور کر سکتے ہیں، لہٰذا ہمیں زیادہ سے زیادہ علم دین کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ شہر اورنگ آباد میں دار العلوم فیضانِ حافظِ ملت کا قیام ایک خوش آئند اور قابلِ تحسین اقدام ہے۔

جلالۃ العلم استاذ العلما حضور سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مبارک پور میں علم وفن کا جو گلشن آباد کیا تھا، آج اس کی خوش بو سے ایک جہان معطر ہے۔ آج اس مرکزِ علم وادب سے اسلام و سنیت کی جو نمایاں خدمات انجام دی جا رہی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور سرکار حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے فیضان سے ہمیں امید ہے کہ یہ ادارہ بھی خوب سے خوب ترقی کرے گا اور فیضانِ حافظِ ملت دنیا کے ہر گوشے میں عام کرے گا۔»

مولانا منصور عالم مصباحی کی نظامت اور عالی جناب محمد فاروق انصاری کی نگرانی میں فی الوقت ادارہ ہذا میں شعبۂ حفظ و قراءت اور پرائمری کی تعلیم شان دار طریقے پر دی جا رہی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں * خدمتِ دین کی مزید توفیق اور حوصلہ عطا فرمائے۔

از: محمد طفیل احمد مصباحی

R.N.I. No.: 29292/76 Regd No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276404 Phone:(05462)250092, 250149, Fax:251448
http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org
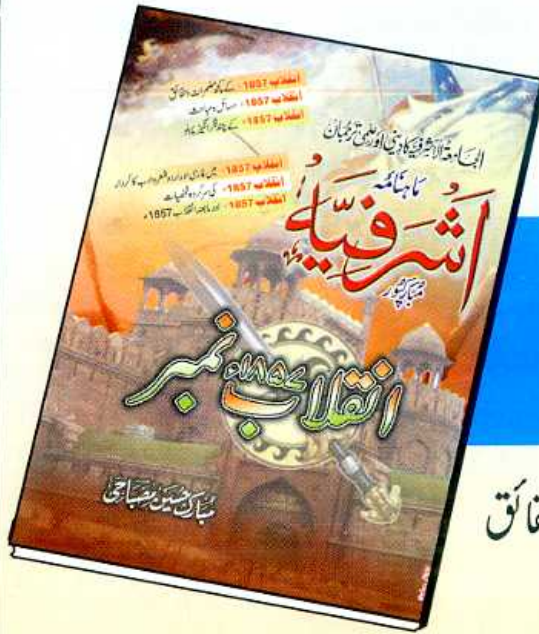
ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

کی خصوصی پیش کش

انقلاب ۱۸۵۷ء نمبر

- **انقلاب** 1857ء ــ کے کچھ مضمرات وحقائق
- **انقلاب** 1857ء ــ مسائل ومباحث
- **انقلاب** 1857ء ــ کے چند فکر انگیز پہلو
- **انقلاب** 1857ء ــ میں فارسی اور اردو شعر وادب کا کردار
- **انقلاب** 1857ء ــ کی سرکردہ شخصیات
- **انقلاب** 1857ء ــ اور مابعد انقلاب 1857ء

جیسے وقیع ابواب پر مشتمل ھے

ملنے کا پتہ: دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴